

أَتَامِدِيَّةُ الْعِلْمِ وَعَلَيْ بَابِهَا

میں شہرِ علم میں آئی اور اسی کو کہتے ہیں ذوقِ علم  
حسینؑ میں حقیت نامی ہے ایسی صاحبِ عیدِ حرم  
کے اہلِ علم اور محنت و ادب کی سے ہرگز پہچانی نہ کی  
ہر عشقِ حرم کا سہل

سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ

باب العمر

**Abstract**

سید محمد علی

تہا کہ وہ اندک انسانیوں کو غیوراً اور مسلمانانہ عالم کو خصوصاً شجاعت دہشتہ و شہادت  
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میل و مستود اور مہمت و وعدت مطہرین مبارک ہو

حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا

حضرت ہے وہ اس قدر قابلِ محبت ہے کہ ہندوؤں پر بھی ان کی تعظیم سے عقل و جسم کی ترقی ہو۔ مسیح کی حقیقت کا ماننا کر سکتے ہیں۔ وہ اپنے افعال سے کہہ گئے ہیں کہ ان کی عقل و ایمان کا وہ سہارا ہو جانتے ہیں۔ ان کوئی آس کا انفسدہ کہ وہاں پہنچ کر ختم ہو جاتے۔

نعت : اسی نے انبیاء کرام کو بہتری سونپے جانے کی مشقوں میں لگا کر اور بہتری شہکوں میں غرق کیا۔ وہ اپنے ہر مصلیٰ سے پاکیزہ نیکوں کی طرف متوجہ رہے۔ بہت نیکیوں سے کوئی گناہ نہ جانے ملا کر کیا تو اس کا سزا دے دیں گے پھر اُن کا کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ وہ اعلیٰ شرف کا درجہ مل ہی نہ سکا۔ وہ ایک سو کم تک پہنچیں، پھر سو سے بھی بڑھ چکے ہوتے تھے کہ انبیاء بہتری اور ان کی اصلاح سے پیدا کیا جو کہ ان کو خدا کے احکام سے بہت زیادہ شوق ملا کیونکہ اسے کہیں سے بہت سے انبیاء پہنچ گئے اور جس میں سے پہلے ان میں غلبہ فرماتے تھے ان کی عزت بہتری عزت سے پہلے بہتری قبیلہ اور بڑا بہتری بڑا ہے جو ہر مصلیٰ کو ہم پر لگا کر ان کے سامنے میں بڑھا جس کی کشت نہیں دلا اور پہلے اس سے باہر ہیں۔ وہ ہر بہت سے لوگوں کے پیشوا اور بہت مصلیٰ کرنے والوں کے لیے سرپرست اور نصیحت ہیں۔ وہ ایک ایسا جہیز ہیں جس کی کوئی دشمنی اور نفرت ہے اور انبیاء اعلیٰ سے بہت ہیں جس کا کوئی ہوا پیش اور ایسا جہیز ہے جس کی کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ ان کو خدا کا کھڑا ہے تاکہ ان کو ہر مصلیٰ اور بہت سے نصیحت کرنا ہے۔ ان کے احکام کو تو مصلیٰ کو تسلیم کرنے والا اور حکم میں جلی ہے۔ خدا تعالیٰ نے ان میں اس وقت بھیجا کہ جب رسول کی آمد کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلے رسول اور ان کی مشقوں پر غفلت۔ پہلے رسول کی مشقوں

دعوتِ مسلم : اہلِ حقانی قہرِ محمدی کے رشتہ نشینوں کی ہرگز غفلت نہ کرو۔ دوست و دشمن یہاں ہے۔ وہ بھی یہاں ہے۔  
 کے گھر جنت : اہلِ حق کا یہ گھر ہے جس کی گنجائش ہے تمام جنت و جہنم۔ جس کی گنجائش ہے کہ اہلِ حق اس میں  
 حاصل کر سکیں۔ اہلِ حق کے گھر کی گنجائش ہے کہ اس میں جنت و جہنم کے تمام دروازے کھل جائیں۔  
 ہے۔ اہلِ حق جنت و جہنم کے تمام دروازے کھل جائیں گے۔

۲

فَاعْلَمْ يَتِيمَ الْعِلْمِ وَعَلَى بَابِهَا  
 نَحْنُ نَحْمَدُكَ يَا مَنْ هُوَ الْمَوْلَى  
 الْمَوْلَى الْمَوْلَى الْمَوْلَى الْمَوْلَى  
 الْمَوْلَى الْمَوْلَى الْمَوْلَى الْمَوْلَى  
 الْمَوْلَى الْمَوْلَى الْمَوْلَى الْمَوْلَى

# بَابُ الْعِلْمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

من اشاعت ..... ربيع اول ۱۳۰۰ هجری

طباعت ..... مطبعه مطهره

نزد تعاون سالانه (بلیه بهیشتی) ..... ۱۰۰ روپے

قیمت ..... ۲۰ روپے

ناشر ..... بنیاد علم و آگہی

۵ دیوانہ پرنس سنٹر لاہور

تعاون ..... حمایت تقابلی

۳۳۳ چارٹرڈ کالج لاہور

من مات ولم يعرف إمام زمانه مات ميتة جاهلية  
جو امام زمانہ کی معرفت کے بغیر مرنے والا ہے وہ گمراہی کی موت مرتے گا۔

ہم باب العلم اور امام علی ریسرچ اکیڈمی کے استعام  
کے لئے دعا گو ہیں

WAGAR AKBAR ASSOCIATES  
Architects  
Planners  
Engineers



باب العلم کے معنی، جہات کو کتابوں، رسالوں اور اخبارات،  
صیغہ بلاغت، حریف نقل کرم، فہم میں کوئی اخلاقی اور قانونی  
رکارڈ نہیں ہے

## ترتیب

۱۔ ازاد سیر	۵۔ سید محمد علی
۲۔ رسالت، نبی البلاغہ کی روشنی میں	۱۱۔ جناب محمد باقر، بہبودی
۳۔ مقدمہ نبی البلاغہ	۲۷۔ جناب شیخ محمد عبیدہ
۴۔ کیا یہ حقیقت نہیں؟	۳۲۔ جناب سید انوار احمد، بکراچی
۵۔ نبی البلاغہ کی جائزیت کا راز	۳۶۔ جناب نامر مکارم شیرازی
۶۔ نبی البلاغہ حقیقت خیر تحریریں	۴۵۔ جناب سید محمد تقی
۷۔ کے ماخذ کی حیثیت سے	
۸۔ علی اور تنہائی	۴۰۔ جناب ڈاکٹر علی شریعتی
۹۔ نبی البلاغہ کا ادبی مقام	۴۷۔ جناب سید رفیع حسین، نائل
۱۰۔ مستقبل کی نسلوں کے نام	۹۵۔ جناب سید رفیعی جعفر نقوی
حضرت امام علیؑ کا پیغام	

جو بریدی سلسلہ، باب العلم میں شائع ہوئے اور  
مقالات سے ادا ہوئے، کا کتبہ متفق ہو نا ضروری نہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

یومِ رند حوا کل ثمن یامحمد

قیامت کے روز ہم سب نمازیں کن کے آنے کے ہوتے ہیں گے۔  
(القرآن)

ہم باب العلم اور امام علی ریسرچ ایکڈمی کے استحکام  
کے لئے دعا گو ہیں

## معروضات

اللہ رب العالمین کا شکریہ ادا کریں جس نے ہمارے تمام ترجمہ زد بے مائیگی اور جہوم مسائل و مشکلات کے باوصف ہمیں خدمتِ دین میں اور دنیا میں امیر المؤمنین کے ہمدرد اور باسعادت علی، نسکری، تحقیقی اور ثقافتی کام کو ایک نئی نئی سے ابتدا کرنے اور امام علیؑ کی سیرت اکیڈمی کی بنیاد رکھنے کی توفیق اور ہمت اور مدد فرمائی۔

روں ماہ مبارک ربیع الاول حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کے سید و سرور انسانوں کے رہبر کامل، رحمت اللعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلادِ مسود سے منسوب ہے۔ یہ ماہ مبارک اپنے دامن میں اس نورِ مجسم کو لے کر جلوہ افروز ہوا جس کی روشنی سے سارا جہاں متور ہو گیا۔ دنیا کی عارضی زندگی کے لیے رشد و فلاح کے حافی الہی اصولوں کا اعلان ہوا اور آخرت کی حیاتِ جاویدانہ کے لیے دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دے کر ایمان اور اعمال کی بنیاد پر مستحقینِ عالم کو فائدہ بخشا۔

قرآن کریم کا پیغام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے آنحضورِ پیغامِ ہدایت ہے جس کا کامل ترین نمونہ خود حضرت رسالتِ مبینہ کی ذاتِ نوری ہے یوں قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنی جھلّت تمام کر دی اور قرآنِ مبین کی حفاظت کا ذمہ خود اپنے ذمے لیا ہے۔ انسان کو اپنے دائرہ اختیار کی حد تک یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ رشد و فلاح کے الٰہی و حاجی الٰہی اصولوں کو قبول کریں یا رد کر دیں۔ آپ

کی سیرت طیبہ کیونکہ قرآن کریم کا عملی نمونہ ہے اس لیے دنیا کے تمام مسلمان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حتمی طور پر اس بات کے پابند ہیں کہ وہ انفرادی و گروہی کا شکار ہونے پر پیغام ربانی سے منہ موڑنے کی ذلت سے بچنے اور اختیار کی ذہنی اور عملی غلامی سے محفوظ رہنے کے لیے اتباعِ سنت و سیرتِ رسولِ اسلام اختیار کریں۔ تادمِ گواہ ہے کہ ہر قسمی سے جب بھی مسلمانوں نے دینی رسالتِ محمدیہ سے وابستگی ترک کی، رسوائی سے دوچار ہوئے۔ وابستہ پیغام الہی رہے تو بڑی سے بڑی شیطانی طاقت کو منہ کے بل گرا دیا لیکن حبِ راہِ جاہلیت سے مغرب ہونے تو اپنے آپ سے بھی ڈرنے لگے۔

نبیِ ابلاغ کے مشمولاتِ الہیات، اساسِ اسلام کے دوسرے بنیادی عقائد سے لے کر انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے گونا گوں مسائل پر حرمِ آخر کا ردِ جہہ رکھتے ہیں جس پر مٹنی کے چٹاموں کو چھوڑ کر مسلمانوں کے مختلف مسائل کے قدیم و جدید علماء اہلِ فکر و نظر نے یکساں طور پر عقائد کا اظہار کیا ہے۔

حقیقۃً توحیدِ الہی جسے اسلام کے بنیادی عقائد میں بھی اولین اور مرکزی حیثیت حاصل ہے اور باقی تمام عقائد (خواہ ان کا تعلق اصولِ دین سے ہو یا فردِ دین سے) اسی بنیادی عقیدے کی شاخیں ہیں۔ اسی لیے توحیدِ الہی پر ایمان کی نوعیت اور کیفیت ہی راہِ حیات میں تعلیماتِ اسلامی سے کا حقہ استفادے کا راستہ استوار کرتی ہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان مومنوں نے جس خوب صورت

اور دلائلین انداز میں رکشی ڈالی ہے اور شناخت الہی کے مشکل ترین نکات کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے اسی کی بنیاد پر تمام قابل ذکر مسلمان علماء اور فلسفیوں نے صدیوں قلم فرسائی کی ہے اور یہ عمل ہنوز جاری ہے اور انشاء اللہ رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔

ذات باری کی حقیقی شناخت کو اپنی حیات کے ہر عمل کا محور بنانے کا نتیجہ، فطری اور منطقی طور پر یہی برآمد ہوتا ہے کہ انسانوں کے تمام تر رجحانات اور دلچسپیاں انہیں ایک مرکز پر مجتمع کر دیتی ہیں اور یوں انسان ایک حوصلے واحد سے وابستہ ہونے کے سبب سے ہر چیز الہی قوت کے جسے قرآن کریم طاغوت کہتا ہے بے خوف ہو جاتا ہے۔ گتہ ارض پر عادی آج کے خصوصی ماحول میں ذات باری کی حقیقی شناخت اور ادراک ہی کفر و ایمان کے طوفانوں اور سماجی طوائف کے بڑھتے ہوئے سیلابوں کا زور توڑ سکتا ہے اور رخ پھیر سکتا ہے۔ تمام مسلمانوں کو یہ بات مد نظر رکھنا چاہیے کہ اسلام کے اعلیٰ مقاصد کی بالادستی اور روز افزوں بگڑتے ہوئے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے انہیں اپنی قوتوں کو متحد رکھتے ہوئے عالمی استقامت کی ان کارشوں کو ناکام بنا کر بنا چاہیے جو وہ مختلف ممالک کے درمیان بغض و عناد کو بڑھانے اور مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو ضعیف کرنے کے سلسلے میں کر رہے ہیں۔

”باب العِلم“ اس دوسری اشاعت میں بھی ہم نے کوشش کی ہے کہ خوب سے خوب تر کا سفر جاری رہے۔ ”باب العِلم“ کا تو مقدمہ ہی طلبِ علم، فروغِ علم، ادا شاعتِ علم ہے۔ امیر المومنین حضرت امام علیؑ کا ارشادِ گرامی ہے۔



اس علم میں کوئی بھلائی نہیں جو فائدہ رساں نہ ہو اور جس علم سے کوئی فائدہ نہ پہنچے وہ اس بات کا سزاوار (حق وار) نہیں ہے کہ اسے سیکھا جائے۔

سو ہم ایسے ہی علم کے متلاشی ہیں اور ایسے ہی علم کا فروغ چاہتے ہیں جو یا تو اصلاحی ہو یا فلاحی اور عمل پر آمادہ کرے، ایسا عمل جو ایمانے نگر دینی کا باعث ہو اور ہم اپنے آپ کو اپنے عباد اور اس کی ضروریات سے وابستہ کر سکیں۔

باب العلم کی پہلی اشاعت پر دو انداز کے تعبیر ملے آئے ہیں۔ دونوں ہی قرین قیاس بھی ہیں اور فطری بھی۔ ایک اندازِ نظر کے لیے ہم فقط دعا گو ہیں اور دوسرے اندازِ نظر نے ہمارے کام میں وسعت اور جہت میں اضافے کے لیے دعا اور تعاون کی پیشکش کی ہے جس کے لیے ہم شکر گزار ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حق و حقیقت کے راستے پر گامزن رہنے کی جہت اور طاقت عطا فرمائے کہ وہی قادرِ مطلق ہے۔

### مَوْتِ الْعَالَمِ مَوْتِ الْعَالَمِ

جہاں دینی معلقوں میں اور مختلف گروہوں کے درمیان تفرق اندازی اور اسلام کے اجتماعی مفاد کو نقصان پہنچانے والی شخصیات ہمیشہ موجود رہی ہیں، ان اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کوئی زمانہ بھی ایسے نیک اصالح، پاکیزہ اور باشعور علماء اور اہل فکر و نظر سے خالی نہیں رہا جو امت کے اجتماعی مفاد اور دشمنوں کی ریشہ

دوا بنوں سے مقابلے کے لیے اور اسلام کے نظری اور نظریاتی محاذوں پر مسلمانوں کی منتشر قوتوں کو مجتمع کرنے کی کادشوں میں ہمد وقت مستعد رہتے ہوں۔

ایسی ہی بااثر شخصیات کے ذیل میں حضرت مولانا الحاج سید مرتضیٰ حسین فاضل اہل اللہ مقارن کا نام بھی آتا ہے جن کی شخصیت مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی علامت تھی اور جو اسلام کے حوالے سے عصری تقاضوں کا بھی گہرا شعور رکھتے تھے۔ سید مرحوم کی علمی و ادبی کادشیں نصف صدی کے قریب تشکلات علم و ادب کو سیراب کرتی رہی ہیں۔ آپ کثیر المطالعہ عالم با عمل اور شائستہ ہندگ تھے۔ آپ کی علمی شناسی کسی بھی واقعہ حال سے پوشیدہ نہیں۔ موت العالم موت العالم اکابر ملت اطلاق سید مرحوم جیسے علامہ رہی ہوتا ہے۔

ہم مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل اہل اللہ مقارن کی وفات پر سوگوار ہیں اور مرحوم کے فرزند اکبر مولانا سید حسین مرتضیٰ سمیت جملہ اہل خانہ کی سے اظہار تعزیت کرتے ہیں اور مولانا مرحوم کے درجات عالیہ اور جوار رحمت میں ترقی کے لیے دعا گو ہیں۔

سید مستند علی

ریح الاقل ۱۴۰۵ھ

دولتی ہفتہ و حدیث مسلمین۔

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَقَدْ ارسلنا رسلنا بالبينات وانزلنا معهم الكتاب والميزان  
ليقوم الناس بالقسط .. رسلنا مبشرين ومنذرين لئلا يكون  
للناس على الله حجة بعد الرسل وكان الله عزيزا حكيما

یقیناً ہم نے دنیا میں اپنے رسول و رشتوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور  
میزان بھی نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل و انصاف اپنا شعار بنالیں ..... ایسے رسول جو اعمال  
صالحہ کو ہواش میں جنت کی خوشخبری دیتے تھے اور بد اعمالیوں پر دوزخ کی وعید سناتے تھے تاکہ  
پھر اللہ پر بندوں کی کوئی حجت باقی نہ رہے اور وہ صاحب عزت و حکمت ہے۔

واذ قال عيسى ابن مريم اسرأئيل اني رسول الله عليكم  
مصدق لما بين يدي من التوراة ومبشرو رسول ثاني  
من بعدى اسمه احمد

اور یاد کرو جب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا فرستادہ  
ہوں۔ میں سابقہ صحیفہ آسمانی تورات کی تائید کرتا ہوں اور اپنے بعد آنے والے فرستادہ  
خداوندی کی آمد کی تمہیں خوش خبری دیتا ہوں جن کا نام نامی احمد ہوگا۔

ہم باب العلم امام علیؑ ریسرچ اکیڈمی کے احکام کے لئے دعا گو ہیں

سید ظیل حسنین شرییدی

جناب محمد باقر صاحب

عربی سے ترجمہ سید صفیر حسین بخاری

## رسالت نبی الہی علیہ السلام کی روشنی میں

أَلَمْ يَخْلُقْهُ يَدُ الْمَعْرُوفِ مِنْ غَيْرِ رُؤْيَةٍ وَالْخَالِقِ مِنْ غَيْرِ  
مَنْصُوبَةٍ خَلَقَ الْخَلَائِقَ بِقُدْرَتِهِ، وَأَمْسَقَهُ الْأَرْبَابُ  
بِعِزَّتِهِ، وَكَادَ أَنْعَمَاءُ يَحْزُوهُ، وَهُوَ الَّذِي أَسْكَنَ الدُّنْيَا  
حَقْلَهُ، وَلَعَنَ إِلَى لَحْمٍ وَالْإِنْسِ رُسُلَهُ، وَدَاخِلُ الْبُيُوتِ أَنْبِيَاءُهُ  
يَسْتَلِدُّوهُمْ مِنْ شَأْنِ قِيَمَتِهِ، وَيُذَكِّرُوهُمْ مَقْصِدَ بَعْتِهِ،  
وَيَحْتَخِرُوا عَلَيْهِمُ بِالْثَّلَاجِ، وَيُثِيرُوا لَهُمْ دَفْنَ الْقَبْرِ  
وَيُزَوِّدُهُمْ أَبَابَ الْمَقْدَرَةِ، مِنْ سَقَبِ قُوَّتِهِمْ مَرُفُوحٍ، وَ  
يَهَادُّ تَحْتَهُمْ مَوْضُوعٍ، وَمَقَاشِ نُجِيِّهِمْ، وَأَجَالِ  
تُعِينِهِمْ، وَأَوْصَابِ تَهْوِيهِمْ، وَأَخَذَ بِثَلَاثِ شَيْءٍ عَلَيْهِمْ  
وَلَمْ يَخْلُ اللَّهُ شَيْئًا مِنْ خَلْقِهِ مِنْ نَبِيٍّ مُرْسَلٍ، أَوْ كِتَابٍ  
مُنَزَّلٍ، أَوْ حُجَّةٍ لَا زِمَةَ، أَوْ مَحْجَبَةٍ قَائِمَةٍ

(۱- ص ۱۵۱، ۲- ص ۱۵۲، ۳- ص ۱۵۳)

حمد و ستائش ہے کہ اس ذات واجب کو نہ پہلے جو غیر برائی ہونے کے باوجود  
چشم بینا کا اٹھالہ اور قلب داناکین ہے وہ ایسا خالق ہے جسے تخلیق کے علیہم میں  
نقص و تکلیف لاجی نہیں۔ اس نے اپنی قدرت کاملہ کے مخلوقات کو جامہ وجود عطا فرمایا۔  
اس کی خالقیت مطلقہ کے آگے ربوبیت کے سب دعوے وادروں نے مجرور عبودیت کا

افراد و امتزاج کیا اور عزت و جبروت کے طریقوں نے اس کی حکمت و الوہیت کو تسلیم کیا۔ اس نے دنیا میں اپنی مخلوقات کو بارگاہ اور جنوں اور انسانوں کی طرف انبیاء کی بعثت کا سلسلہ جاری کر دیا تاکہ وہ ان سے فطرت کے عہد پر پورا اترنے کا تقاضا کریں اور اس میں کردہ نعمت الہی کی باخبریں یا د و حال فرمائیں اور وسیع احکام خداوندی سے ان پر اپنی محبت نام کریں۔ یہ انبیاء اللہ تعالیٰ کی جانب سے اہل زمین کی راہنمائی کا فریضہ ہے کہ دنیا میں تشریف لے کر ان کے فضل کے خصوصی خزانوں اور اعظم سکھ و شہداء و رفیقوں کو انسان کی دسترس میں لائیں اور اللہ تعالیٰ کی حکمت سے حقہ فرمودہ نشانات سے سروں پر آسمانوں کا بلند و بے ستون شامیانہ پہیروں کے نیچے بچایا جعفری زمین، زمین میں مہاجر و مدینہ اسبابِ نریست و غنائیام اجلیں، پورے عالم کو اپنے واسطے ہر امن اور مسلسل واقعہ ہونے والے حادثے دکھائیں۔ ذاتِ خالق نے اپنی مخلوق کو کبھی کسی اور سال فرمودہ نبی، انبیا، فرمودہ کتاب یا لازم فرمودہ محبتِ قلبی و دلی روشن کرنے کی ضرورت نہیں چھوڑا۔

فَاسْتَوْدَعَهُمْ فِیْ اَنْفُسِیْ مُتَوَدِّعٍ، وَاَقْرَنَهُمْ فِیْ غَیْرِ  
مُتَمَقِّلٍ، تَتَنَاوَعَتْهُمْ كَرَامِیُّ الْأَضْلَیِّ إِلَى مُطَهَّرَاتِ  
الْاَنْحَامِ، كُلَّمَا مَضَى مِنْهُمْ سَلَفٌ، قَامَ مِنْهُمْ بِدِیْنِ  
اللّٰهِ خَلَفٌ (ص ۱۳۹)

وَسَلَفَتْ الْاَنْبَاءُ، وَخَلَفَتْ الْاَنْبَاءُ۔  
إِلَى اَنْ يَهْتَفِ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ مُعَمَّدًا رَسُوْلًا اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ  
عَلَيْهِ وَاٰلِهِ وَسَلَّمَ لَا نَجَاحَ لِمَنْ جَدَّ جَوْرًا اَتَمَّ اَمْرًا يُوْثِقُ اَمْلَاحَهُ

عَلَى النَّبِيِّينَ مِنْ شَاقَّةٍ، مَشْفُورَةٌ بِسَمَاتِهِ كَرِيمًا مَبْلُورًا (ص ۱۳۴)

ان کے مقدس نطفوں کو اللہ تعالیٰ نے کرم ترین ہر عام میں ودیعت فرمایا اور بجز یہ قرار ہوا میں انہیں رکھا۔ وہ عظیم و کریم صلبوں سے ظاہر و پاکیزہ جموں کی طرف متصل ہوئے رہے۔ جب ان میں سے کوئی اس دنیا سے رخصت ہوا تو اس کی جگہ دوسرا اس کے قائم مقام کی حیثیت سے احیائے دین خداوندی کے لیے کھڑا ہو گیا۔

یہاں میار وہ برگر یہاں خدا تھے جنہیں نہ کسی اپنی کم ہدی ہائے فراخی منہی کی بجا آوری سے باز رکھ سکی اور نہ ہی مخالفین کی کثرت کسی ان کے حل میں متہد راہ ہوئی۔ ان میں سے ہر سابق کو بعد میں آنے والے کے متعلق پوری اطلاع دی جاتی تھی اور ہر بعد آنے والا اپنے سابق کی طرف سے مکمل تعلقات کے ساتھ تشریف لایا تھا۔ جس نوجو صدیاں پیشی میں اور زمانے گزرنے سے پہلے ہر باپ داداؤں کی جگہ ان کے بیٹے ہونے آتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری حمد کا ایضاً فرماتے ہوئے یہ نام رسالت اور خیم نبوت کی فرض سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا جن کے بارے میں حمد انبیاء ماسلف سے حمد لیا جاتا تھا کہ وہ اس حضرت کو اپنا آقا و مولا میں گئے اور اپنی ہائی امت کو آپ کے ختم المرسلین لانے کی خبر دیں گے، چنانچہ آپ کے ملامت ظہور کو پہلی مجلس میں شہرت دی گئی اور آپ کی تشریف آوری کو دنیا کے لیے مبارک اور باعث رحمت بنایا گیا۔

خَيْرَ الْبَرِيَّةِ طَهْرًا، وَأَتْخَتَهَا أَكْفَلًا، وَطَهَّرَ الْمُطَهَّرِينَ  
بَشِيمَةً، وَأَجْوَدَ الْمُسْتَطَهَّرِينَ دِيَمَةً (ص ۱۳۵)

آپ افضل میں بہترین مخلوق اور پیری میں شریف اہل سائنہ تھے۔ طہارت و پاکیزگی میں ہر طہارے سے طہر تر اور جو دو نمایاں ہو گئی سے کئی تر تھے۔

كُلَّمَا نَسَخَ اللَّهُ مَخْلَقًا فَرَّقْتُ فِي جَعَلَهُ فِي خَيْرٍ مِمَّا كَفَرَ

يُنْهَضِرُهُ عَاهِرًا ۖ وَلَا تَضْرِبُ فِيهِ قُلُوبًا ۝ (۳۳)

جب اللہ تعالیٰ نے نسلِ انساں کو نشانوں میں تقسیم فرمایا تو آپ کے ہر مقدس کو ہریشہ  
بیکرہ ترین شاخ میں قرار دیا۔ آپ کے نسبِ اقدس و اطہر میں کہیں کسی دھار کی شرکت یا کسی  
چکر دار و فاجر کا دخل نہیں رہا۔

فَأَخْرَجَهُ مِنْ أَفْضَلِ الْمَقَادِرِ مَنِيَّاءَ ۖ وَأَعْوَا لِرُؤُوسَاتِ  
مَغْرِبِيَّاءَ ۖ مِنَ الشَّجَرَةِ الَّتِي صَدَعَ مِنْهَا أَنْبِيَاءُهُ ۖ وَانْجَبَ  
وَمِنْهَا أَمْثَاءُهُ ۖ عِثْرَتُهُ خَيْرُ الْعِثْرِ ۖ وَأَسْرَتُهُ خَيْرُ الْأَسْرِ ۖ  
وَشَجَرَتُهُ خَيْرُ الشَّجَرِ ۖ بَنَتْ فِي حَرَمٍ ۖ وَنَقَتْ فِي كَرَمٍ  
لَهَا فَرْعٌ طَوَالٌ وَتَصْرُؤٌ يَسْلُ ۖ أَغْصَانُهَا مُعْتَدِلَةٌ ۖ  
وَتِيمَارُهَا مُتَهَدِّلَةٌ ۖ مَوْلِدُهُ بِمَكَّةَ ۖ وَهَجْرَتُهُ بِطَيْبَةَ  
عَلَّاهُ إِذْ كُتِبَتْ ۖ وَامْتَدَّتْ مِنْهَا صُورَتُهُ ۝ (۳۴-۳۳)

خداوندِ عالم سے آپ کے نسل و وجود کو پاکرہ ترین مٹی سے اگایا اور بخیرہ انسان کی ہی  
معزز ترین شاخ سے آپ کو پیدا فرمایا جس سے دنیا پر پیدائے اور اپنی وحی کے امین منتخب ہوئے  
آپ کی عزتِ طاہرہ بہترین مرتبہ کے عالم اور آپ کا مقدس شجرہ عالمِ انسانی کے نامِ بخیرہ سے  
افضل و اشرف ہے جو سرزمینِ حرم میں پیدا ہوا اور شجرہ جہدِ شرافت سے سیراب ہو کر نبی و پیغمبر  
پر سایہ ٹپکا ہوا۔ اس شجرہ کریم کی شاخیں بلند ہیں اور اس کا پھل (عادلانِ انسانوں کی) اور سترس سے  
بھارت ہے۔ اس شجرہ انبوت کی شاخیں ایسا نازدقہ سیدہ الہیائیتِ رسولِ عالمِ علم و حکمت نوئی پہنے  
کی وجہ سے اتر رہی ہیں اور صاحبِ روش و عقل کو پیغمبر ہیں اور اس کا اثر حرکت انگیز  
طالعین یعنی عرفان کے لیے بھٹکا ہوا ہے۔ یہ شجرہ کریم سرزمینِ تکریم پیدا ہوا اور اس کی طرف اس نے  
نقلِ مکال کیا جہاں ایہ پر دان چڑھا اور اس کی فیضِ رسانی کا چرچا ہوا، اس کے پیغام کہیں ہو

ہوا اور اس کی دعوت عالم گیر ہوئی۔

أَرْسَلَهُ بِحُجَّةٍ كَافِيَةٍ، وَمَوْعِظَةٍ شَافِيَةٍ، وَدَعْوَةٍ  
مُتَلَفِّفَةٍ، أَظْهَرَ بِهِ الشَّرَائِعَ الْمَمْحُورَةَ، وَقَعَقَ بِهِ بِلَدِّ  
الْمَدْخُولَةَ، وَبَيَّنَّ بِهِ الْأَحْكَامَ الْمَقْصُولَةَ (ص ۱۳۱)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکمل اور قلعہ دلیل اور امنی روحانی کو دور کرنے والی اشفا  
بخش پسند و ہدایت اور رحمت و درگاہ کرنے والی پیغام دے کر بیعت فرمایا آپ کے وجود و کلمہ  
کے درپے سے اس نے شریعت کی فراہم شدہ تعلیمات کو زندہ کیا، انسانی معاشرہ میں  
سراپا شفا و ہدایت (اور رحمتوں) کو منم کیا اور احکام خداوندی کو واضح کیا۔

أَرْسَلَهُ بِالذِّبِّ الْمَشْهُورِ، وَانْقَضَى الْعَاقِبُورُ، وَالْكِتَابُ  
الْمَنْطُورُ، وَالتَّوْرُ السَّاطِعُ، وَالطَّبَاءُ اللَّامِعُ، وَالْأَمِيرُ  
الضَّادُ، إِذَا حَتَّ بِنُفْهَاتٍ، وَاجْتَبَا جَنَابَ الْبَيْتَاتِ  
وَحَذِيرًا بِالْآيَاتِ، وَتَحْوِيلًا بِالْمَثَلَاتِ، وَالْأَسْرُوفُ فِي يَمِينِ  
أَنْحَدَمَ فِيهَا خَبْلُ الدِّينِ، وَتَوَعَّزَتْ سَوَارِي الْيَقِينِ  
وَاحْتَلَفَ النَّحْوُ، وَتَشَتَّتَ الْأَصْرُ، وَضَاقَ الْخَرْجُ، وَبَيَّنَّ  
الْمُضَيِّقُ، وَالْهَدْيُ سَامِلٌ، وَالْفَقْرُ شَامِلٌ، عَصَى  
الرَّحْمَنُ، وَنُصِرَ الشَّيْطَانُ، وَحُذِلَ الْإِيمَانُ، فَأَنهَارَتْ  
دَعَائِمُهُ، وَتَسَكَّرَتْ مَعَالِمُهُ، وَدَرَسَتْ مُسْبَلُهُ، وَعَفَتْ  
شُرْكُهُ أَطَاعُوا الشَّيْطَانَ فَسَلَكُوا مَسَالِكَهُ، وَوَرَدُوا  
مَسَابِلَهُ، بِهِمْ سَلَاتُ أَعْلَامُهُ، وَقَامَ لَوَاؤُهُ، فِي يَمِينِ



وَأَسْتَهْمُ بِأَخْفَانِهَا، وَوَهَّيْتُهِنَّ بِأَفْلاَئِهَا وَأَقَامْتُ  
 قَلْبِي سَائِكِيهَا تَهْمُ فِيهَا تَائِهُونَ حَائِرُونَ جَاهِلُونَ  
 مَقْتُونُونَ، بَنِي تَحْيِرٍ ذَاهِبٍ، وَشَرُّ جِرَانٍ، أَلَوْ مَهْمُ سَهْمُهُ  
 وَكُنْ لَعْنُهُ مَوْعٌ، بِأَرْضٍ عَالِمُهَا مُلْجَمٌ، وَجَاهِلُهَا  
 مُخْتَرَمٌ. (ص ۱۶۷-۱۶۸)

اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو ایک ایسے دین کے ساتھ جس کا چرچا انبیاء سے  
 سلف کرتے آئے تھے، ایسی نشانیوں کے ساتھ جن کا ذکر برگزیدگان خدا تو اسے فرماتے  
 آئے تھے اور ایسی کتاب کے ساتھ جس کا نسخہ لوح محفوظ سے حاصل کیا گیا تھا، بعورت  
 فریاد اور بصارت افزوز و بصیرت آفرین، نوریتا یاں کی ضد نشانیوں کے جلو میں آپ کو  
 آخری، قطعی اور فیصلہ کن امر کے ساتھ بھیجا کہ مشرکانہ شکوک و توہمات کا ازالہ ہو اور واضح  
 دلائل کی توت سے حقائق کو ثابت کیا جائے۔ آیات الہی کے ذریعہ گمراہ انسان کو ڈرا کر اور  
 پچھلی اگتوں پر نزل ہونے والے آسمانی عذابوں کے ذکر سے خوف دلا کر اسے راہ راست  
 پر لایا جائے۔ آپ ایسے دور میں تشریف لائے جو انسان کے اخلاقی اور معاشرتی، فساد کا دور  
 تھا جس میں یقین و ایمان کے ستون متزلزل، دین کے روابط شکستہ، اس کی حدود و اوقات وار  
 پامال، اس کی وحدت پارہ پارہ اور اس کے احکام کا شیرازہ درہم و برہم تھا۔ اس دنگری و  
 اخلاقی انحطاط کے گور کہ دھندے سے نکلنے کی تمام راہیں تنگ اور تاریکی میں ڈوبی ہوئی  
 تھیں، وسیلہ ہدایت معفود تھا اور ضلالت و گمراہی عام تھی۔ اللہ تعالیٰ کی انراہانی اور شیطان  
 سے تعاون کھلے بندوں کا جاری تھا۔ ایمان و خور اور بے سہارا تھا اس کے نام ستون  
 منہدم تھے اور اس کے آثار و علامات ناقابل شناخت ہو چکے تھے۔ وہ اپنا تشخص  
 کھو چکا تھا اس کے رستے ویران تھے اور شاہراہیں اس کی اجڑ چکی تھیں لوگوں نے شیطانی کی  
 اطاعت اختیار کر لی تھی اور اسی کی راہ پر چل نکلے تھے۔ ان کے اس تعاون سے شیطان

کی سرکشی اور اس کے طاغوتی اعمال کو فروغ ملا اور اس کی بظاہر و باطنی حالت کے محضدوں کے  
 ہر پرے نصیب میں مزید اونچے کمرے لگے۔ (باقی) انسان ایسے قتلوں میں مبتلا ہو گیا جنہوں  
 نے وحشی جانوروں کی طرح اس کی شراعت کی ہر قدر کو اپنی سمجھ کے روئے دیا اور کئی کے  
 رکھ دیا۔ وہ لوگ ان نفسوں کے اندھام میں میرن و سرگردن ملا رہا بستہ و گرفتار تھے وہ دنیا  
 کے بہترین مقام و خانہ خدا کے دترین بڑوسی تھے جس کی بند بے خوابی کا کھ کا سر رہا سو تھے۔  
 یہ ایسی سرزمین تھی جہاں عالم و حق بستہ و دلیل ملا رہا کسک و عزت نما

أَرْسَلَهُ عَلَىٰ جَنِيٍّ فَنَقَرَهُ مِنَ الرُّسُلِ، وَطَوَّلَ فَجْجَةً مِنَ  
 الْأَمْسِرِ، وَاعْتَدَاهُم مِنَ الْعَيْنِ، وَأَنْتَشِلَ مِنَ الْأُمُورِ، وَتَلَطَّ  
 مِنَ الْخُرُوبِ، وَالذَّنْبِ كَالَيْفَةِ السُّورِ، فَجَاهِرَةُ الْغُرُوبِ؛  
 عَلَىٰ جَنِيٍّ أَصْفَرَارٍ مِنْ وَرْقِهَا، وَأَبَاسٍ مِنْ ثَمَرِهَا، وَفَيْحٍ  
 مِنْ مَائِقِهَا، قَدْ دَرَسَتْ مَارَ الْهَدَى، وَظَهَرَتْ أَعْلَامُ  
 التَّرْدَى، فَهِيَ مُتَجَهِّمَةٌ لِأَهْلِهَا، غَائِبَةٌ فِي وَجْهِهَا كَالَيْفَةِ  
 ثَمَرِهَا الْبَيْضَةِ، وَطَعَامُهَا الْحَيْفَةُ، وَشِعَارُهَا الْخَوْفُ، وَ  
 دَنَارُهَا التَّيْنَةُ. (ص: ۱۷۱-۱۷۲)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو زمانہ نعت اور بیوں کی معشت کے ہر پہلی وقفہ میں بھوت  
 لرایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء کی پہلے پہلے آمد کا سلسلہ شینت ایزدی سے رنگ  
 گیا اور حضور اتم الرسل جناب عیسیٰ کے نفرت پانچ سو سال بعد نشر ہونے جس کی وجہ سے  
 انبیاء سے ملت کی انیس دنوں خواب غفلت میں رہیں اور ان پر طاری طوفانی جہو نے انہیں  
 مٹے مل اور گمراہ بنایا اس (مردم) حایت اور میں تھے جا بجا سرکش گھوڑوں کی طرح سواچار رہ  
 تھے، امور بہت کاشیازہ بالکل منتشر ہو چکا تھا، ہر جگہ تش و جنگ استغنی تھی، دنیا بھر و تاریک

تھی لیکن اس کا داخل و فریب غیب و روشن تھا۔ نقل انسانیت غریب و پیدہ تھا اس کے چہرہ  
 ہو چکے تھے اور اس کے بارہو ہونے کی کوئی امید نہ تھی نہیں رہی تھی کیونکہ اس کو سیراب کرنے  
 والا آبِ حیات اس کی غلبہ جڑوں سے کہیں پہنچے گا نہ ہو سکتا تھا۔ ہایت کے نام  
 بیزار نہ رہا ہو چکے تھے اور طاقت کے پرچم فضا سے زمین میں اترتا تھا۔ اس کے لئے یہ تھے۔ زمین  
 اپنے ہاسیوں سے منفرد ہو چکی تھی اور اس کی جبین اسے عشاق پرشکس آلود تھی۔ ان کے لیے اس کے  
 پاس روحانی غذا فتنہ و نیاہ کاری تھی اور جہاں تھا صرف مردار۔ ان کے دلی ناگہانی حادثہ سے  
 خوف زدہ اور ان کے جسم پر دشمن سے شیریں ہوا اور زہر پوٹا تھا۔

بَعَثَهُ وَالنَّاسُ ضَلَالٌ فِي حَيْرَةٍ، وَحَاطُوا بِرَبِّهِمْ يَنْتَقِبُ، قَدِ  
 اسْتَهْوَتْهُمْ لَاقَهْوَاءُ، وَاسْتَرْتَبَتْهُمْ الْيَكْبَرِيَاءُ، وَاسْتَحَفَّتْهُمْ  
 انْجَاهِيَّةُ تَهْلِيئِهِ، وَخَيَّرِي فِي زُلُمٍ مِنَ الْأَفْسَادِ، وَتَلَاوُحِ مِنَ  
 الْجَهَنَّمَ، قَبْلَ تَعَلُّقِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاللَّهُ فِي التَّوْحِيدِ وَفَضْلِ عَلَى الطَّرِيقَةِ  
 وَدَعَا إِلَى الْحِكْمَةِ، وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ، حَتَّى أَرَاهُمْ مَتَّعْتُمْ  
 وَبَوَّاهُمْ مَحَلَّتْهُمْ، فَاسْتَدَارَتْ رِجَالُهُمْ، وَاسْتَقَامَتْ خَسَائِعُهُمْ

(الحج ۲۰ ص ۱۵۰)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے وقت میں بعث فرمایا جب انسان حیرت و پریشانی کے عالم  
 میں راہِ راست سے بھٹک چکا تھا اور اس کا کام محض آتش فتنہ و فساد کو مزید اشتعال دینے کے  
 لیے بیہوش اسباب کی فراہمی تھا۔ نفسانی خواہشات اور شرع الہی کے درمیان کا وہ فلام ہو چکا تھا۔  
 خور و اور بھرتے اسے جاذب اعتدال و توازن سے دور تھا۔ یہاں تک کہ وہ جہالت نے اس  
 کی عقل کو دبی تھی اور امورِ دینی کے ترازوں اور عدم استقامت کی وجہ سے وہ بالائی اُردہ پہنچنے  
 کے شدید اضطراب میں مبتلا تھا۔ آپ نے اس کی ساخت شدہ و غیبت و میرت کے مدحار سے بے پروا ہونے  
 کی سعی و کما میں غرماں خود شدہ و ہایت پر ثابت قدم رہے اور کمر کدہ ماہ انسان کو ملکیت

دو تکی اور غرض اخلاقی و نیک خوئی کی نصیحت فرماتے رہے۔  
 حتیٰ کہ آخر کار آپ نے انسانوں پر وہ نہایت روشن کرا اور انہیں سعادت کی منزل پر  
 مقصود تک پہنچا دیا۔ چنانچہ ان کی زندگی کی ہر تکی بات بعد گھر سے لگی ہو رہی تھی کہ ہر شخص کے  
 بزرے سے بل جاتے رہے۔

أَرْسَلَهُ بِوُجُوبِ الْمُحَجَّجِ، وَطُهُورِ الْعَلَجِ، وَإِذَا صَاحَ الْمَسْجِدُ  
 فَسَلِّعَ الرِّسَالَةَ صَادِقًا بِهَا، وَحَقْلَ عَلَى الْمَحْبُوعَةِ دَلَالًا عَلَيْهَا  
 وَقَامَ أَعْلَامُ الْإِهْتِدَاءِ وَمَسَارَ الْقِيَامِ، وَحَقْلَ أَمْرٍ لِمَنْ لَا  
 قَبِيضَةَ، وَغَرَا الْإِيْنَابُ وَتَبَقَّةُ (ص ۱۲۰)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو انسانوں کی ہدایت کے لیے ایسی روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا  
 فرمایا جنہیں قبول کرنا ہدایت یابی کے لیے شرط واجب قرار دیا گیا تاکہ انہیں صحابہ کا سیلاب ہو اور  
 ایمان کی راہیں روشن ہوں پس آپ نے اپنی رسالت کے بڑے اعلان سے حق و باطل میں  
 امتیاز فرمایا، اور صراطِ مستقیم کی طرف انسانوں کی رہنمائی فرمائی تاکہ وہ ہم کی رہی کو مضبوطی پائے  
 ایمان کے بندھنوں کو استقامت بخشا۔

إِتْمَعَتْهُ بِالنُّورِ الْقَمِيِّ، وَتَلَبَّزَ خَلَابَ الْجَلِيلِ، وَانْعَمَتْهَا جِجَاجُ الْفَلَاوِي،  
 وَالْكَتَابُ مَهَادِيٌّ، فَصَرَّحَ بِعِلَادَةِ مِمَّنْ بَعَادَةُ الْأَوَّلِينَ إِلَى جِهَادَاتِهِ، وَ  
 مِنْ حَاوِيَةِ الشَّيْطَانِ إِلَى طَاعَتِهِ بِقُرْآنٍ قَدَرْتُوْنَهُ وَالْحِكْمَةِ  
 لِيَعْلَمَ الْعِبَادُ رَبَّنَهُمْ إِذْ جَهِلُوْهُ، وَلِيَقْرَأُوْا بِهِ بَعْدَ إِذْ جَهِدُوْهُ  
 وَلِيَشْفُوْهُ بَعْدَ إِذْ أَسْكَنُوْهُ فَتَحَلَّى لَهُمْ مَبْحَاثَهُ فِي  
 كِتَابِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُوْنُوا رَأَوْهُ يَمَّا أَتَاهُمْ مِنْ قُدْرَتِهِ،

وَأَخْبَهُمْ مِنْ سُلُوبِهِ، وَكَيْفَ مَحَقَّ مَنْ مَحَقَّ بِالنَّعْلَاتِ وَ  
 اخْتَصَمَ عَنِ اخْتَصَمَ بِالنَّعْلَاتِ! (۱۱- ص ۲۱۷۳۹- ص ۲۱۷۴۰)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور و روشنیاں، دلیل تاہاں واضح و روشن راہ شریعت اور ہمارا  
 کتاب کے ساتھ سمیٹ کر فرمایا، تاکہ وہ اللہ کے بندوں کو کلام پاک کے واضح و مکمل تعلیمات کی  
 روشنی میں بت پرستی کی شقاوت سے نہایت دلا کر خدا کے واسطے کی پرستش کی سعادت سے  
 ہمکنار فرمادیں اور شیطان کی اطاعت سے نکال کر انہیں خالق کائنات کی اطاعت میں داخل  
 کریں تاکہ بندگان خدا ہر بات سے خاص پائیں اور بات معبود حقیقی کا علم اور راک حاصل کریں  
 اس سے مسلسل کفر کے بعد اس پر ایمان لانے کی سعادت پائیں اور اس کے طویل انجام کے  
 بعد اس کے رب اللہ باب ہوئے کا اقرار کریں۔ اللہ تعالیٰ نے خبر مرئی ہوئے کے باوجود اپنی  
 ذات کو اپنے کلام مقدس میں ہمیشہ فرمودہ نشانوں کے ذریعے سے انسان کے سامنے جلوہ گر  
 فرمایا ہے اور اہم حجت کے باوجود ایمان لانے والے فاسقوں کو خطاوں کو مستند بنا کر اپنی سلطنت و  
 شوکت اور اپنے خدا سے تنہا کی ہولناکیوں سے فخریہ اعلیٰہم رجواہن المساءلہ کا انوار بظلمتوں  
 (پس ہم نے ظالموں کو آسمان غلاب کا نشانہ بنایا، جیسے اتفاق سے حورہ دلایا ہے کہ کس طرح اس  
 اپنے دشمنوں کو صفحہ ہستی سے ابد کی اور اپنے نور و عصب کی تائید پر کلیر سن کے حورین خود کو خاکستر کیا۔

أَمَرَ غَلِيَّةَ الْكِتَابِ نُورًا تَطْلَعُ مَصَابِيحُهُ، وَبِشْرَاجَاجِ الْيَبْرِ  
 تَوَقُّدُهُ، وَبِشْرَاجِ الْيَدِ ذِكْرُ تَقَرُّوْهُ، وَمِنْهَا جَالُ الْيَبْرِ تَقْبِضُهُ،  
 وَشِعَالُ الْيَبْرِ تَطْلُعُ حُضُورُهُ، وَفَرْقَانَا لَا يُجْمَدُ هُزْهَانُهُ، وَرَبِّيَانَا  
 لَا تُفْهَمُ أَلْفَانُهُ، وَشَيْطَانُهُ لَا تُخْشَى أَسْقَامُهُ، وَعِزُّ الْآخِرَةِ  
 أَفْضَلُهُ، وَحَقُّ الْتَعَدُّلِ أَعْوَابُهُ۔ (ص ۲۱۷، ص ۲۱۸)  
 فَهَوَّ مَقْدُونُ الْإِنْسَانِ وَتُبْخِرُ حُجَّتُهُ، وَتَبْخِرُ الْوَلُوبُ وَتَبْخِرُ

وَرِيَاضُ الْعَدْلِ وَعُذْرَانُهُ، وَأَتَانِي الْإِسْلَامُ وَبُيَّيْنَتُهُ وَأَوْدِيَّتُهُ  
 الْحَقُّ وَعَيْطَانُهُ. وَيَحْزَنُ لَا يَنْزِفُهُ الْمُسْتَشْرِقُونَ، وَيَعْيُونَ لَا يَنْفَعُهَا  
 انْصَابُ حَزَنٍ. وَمَا هَلْ لَا يَفِيضُهَا أَنْوَارُ دُونَ، وَمَا لَكِ لَا يَصِدُّ  
 نَهْجُهَا الْمَسِيرُونَ أَنْ عَلَامًا لَا يَقْسُ عَنْهَا السَّائِرُونَ، وَأَكْثَمُ  
 لَا يَجُوزُ عَنْهَا الْقَاصِدُونَ. (ص ۱۳۵)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل شدہ کتاب ایک نور ہے جس کی ہدایت کی توفیق  
 مَن نہیں ہو نہیں سکتا۔ ایک نورانی چراغ ہے جس کی نور خاوشی نہیں ہوتی۔ ایسا مہم ہے جس کی ضلہ  
 کمید ہے۔ ایسا سیدھا راستہ ہے جس کا اختیار کر لینا ہر قسم کی گمراہی سے حفاظت کی ضمانت ہے  
 اور ایسی شاعری ہے جس کے نور پر تاریکی کا کوئی اثر نہیں۔ یہ کتاب حق کو باطل سے الگ کرنے والا  
 فرقان ہے جس کی دلیل کی روشنی مانتہ نہیں ہوتی۔ ایسی وضاحت کی حامل ہے جس کی قوت  
 مفصل نہیں ہوتی بلکہ ایسی کبیر ہے جو شغافی شفا ہے اور جس کی سرحد کی سرحدیں یاد رکھنا نہیں  
 ایسی بارگاہ مجدد و مرت ہے جس کے انصار و موافقین شکست ناکستان ہیں اور ایسی حقیقت  
 ہے جس کے حامی مغلوب نہیں ہوتے۔

وہ ایمان کی کل اور اس کا مرکز ہے، علوم کا سرچشمہ اور صدف کا بحر ہے۔ یہاں تک کہ ہر صوفی  
 کی جست ہے جس میں داد گستری کے چٹھے اہل رہے ہیں۔ اسلام کی پایہ گاہ اس کی اساس  
 ہے، حق کی دادی اور اس کا وسیع دامن ہے، ایسا بحر بیکراں ہے جس کے قیام و تکوین کو بانی اپنے  
 دامن کی کثرت متاثر نہیں کر سکتی، ایسی جڑ گاہ ہے جس کے فیضی آب کو ستاروں کا نہ عام  
 گمنا نہیں سکتا۔ ایسا وسیع و عریض گھاٹ ہے جس کے پانی کو بحیرہ قسطنطنیہ تک نہیں کر سکتا،  
 ایسی واضح منزل ہے جس کا سفر بھٹک نہیں سکتا۔ وصول الی اللہ کے لیے ایک پائیدار  
 نشان ہے جو ہر روز حقیقت کی نظروں سے دوچیل نہیں ہو گا اور یہاں بندہ و مرتفع آستانہ  
 ہے جو طالب حق کی منزل مقصود ہے۔

جَعَلَهُ اللَّهُ رِيًّا لِقُلُوبِ الْعُلَمَاءِ، وَزِينَةً لِقُلُوبِ الْعُقَلَاءِ، وَ  
 مَحَاجٍ يَهْرُقُ الصَّلَاحُ، وَدَوَاءٌ يَسْبِي بَعْدُ الدَّاءُ، وَنُورٌ لَيْسَ  
 مَعَهُ ظَنَمَةٌ، وَخَبَلٌ وَثِيقًا عَزْوَتُهُ، وَمَغْفَلَةٌ مَبْنِيهَا ذُرْوَتُهُ،  
 وَغَيْرُ الْيَمَنِ تَوَلَّاهُ، أَوْ سَلَمًا لِمَنْ دَخَلَهُ، أَوْ هُدًى لِمَنْ ائْتَمَرَ  
 بِهِ، أَوْ عِزًّا لِمَنْ ائْتَمَرَ، وَبَرًّا لِمَنْ تَكَلَّمَ بِهِ، شَهِيدًا  
 لِمَنْ خَاصَمَ بِهِ، وَفَلَجًا لِمَنْ حَاجَّ بِهِ، وَحَامِلًا لِمَنْ حَمَلَهُ  
 وَمُطِيبَةً لِمَنْ أَعْمَلَهُ، وَآيَةً لِمَنْ تَوَسَّعَ رِجْلُهُ لِمَنْ  
 ائْتَمَرَ، وَعِلْمًا لِمَنْ تَوَقَّى، وَحَدِيثًا لِمَنْ رَوَى، وَحُكْمًا  
 لِمَنْ تَقَضَّى.

(ص ۲۵۱ - ۲۴۴)

اللہ تعالیٰ نے اسے علماء کی نشانی کے لیے سیرال، علماء کے دل کے لیے ہمار اور مایم  
 کے لیے شہر اور سلوک قرار دیا ہے۔ یہ کسی دعا ہے جس کے سرور جانے کے بعد کوئی مرض باقی  
 نہیں رہتا۔ یہ مانور ہے جس کی تاریکی کاگز نہیں رہی۔ یہی تری ہے جس کے بل ٹکرا اور دستگیر محفوظ  
 ہے۔ یہی پناہ گاہ ہے جو بند و بالا اور قابل تغیر ہے۔ یہ باعث عزت ہے اس کے لیے جو  
 اس سے لٹک کر ہے۔ مضامین و سوانحی ہے اس کے لیے جس کی مدد میں داخل ہو جائے  
 حایت ہے اس کے لیے جس کا اتباع کرے۔ فخر غلام ہے اس کی نغزٹوں کے لیے جو  
 اس سے نسبت قائم کرے۔ جنت ہے اس کے لیے جس کے کام میں یہ رہا بسا ہوا۔ گواہ ہے  
 اس کے لیے جس کے سفات کی بنیاد پر ہمالی حسن اکے وہاں فتح و نصرت ہے اس کے لیے  
 جو اس سے جنت پرکھے۔ حفاظت ہے اس کے لیے جو اس کو حفظ کرے۔ مرکب خوش و فخر  
 ہے اس کے لیے جس کی پناہ و تدراسل بنائے۔ نشان ابروی ہے اس کے لیے جو سورت کا جو  
 ہو۔ یہ ہے اس کے لیے جو مبارک اطل کے لیے اسطربند ہو، علم و نور ہے اس کے لیے جو اس کی  
 نو سے بات کرے۔ فتویٰ فاس ہے اس کے لیے جو مسند قضا پر بیٹھے۔

فَقَدْ آمَنَ مِنْ أَفْقَى، وَصِيْرَةٌ مِنْ اهْتَدَى، سِرْجٌ لَمَعَ مَهْدَى،  
 وَشِهَابٌ سَطَعَ نُورُهُ، وَرَنْدٌ بَرَقَ لَمْعُهُ، سِيرَتُهُ الْقَصْدُ  
 وَسُنَّتُهُ الرِّشْدُ، وَكَلَامُهُ الْفَصْلُ، وَحُكْمُهُ الْعَدْلُ، (ص: ۱۳۹)  
 حَقَّقَهُ اللَّهُ مَلَأَ عَالَمِيَّاتِهِ، وَكَرَّمَهَ لَا مِثْلَهُ، وَزَيَّنَّهَا لِأَهْلِ  
 زَمَانِهِ، وَزَيَّنَّهَا لِأَعْوَابِهِ، وَشَرَّفَهَا لِأَنْصَارِهِ، (ص: ۱۴۰)

وہ پرہیزگاروں کے، نام اور مہابت، نگاہوں کے لیے پر بصیرت ہیں، دو ایسا ارزانی  
 چراغ ہیں جس کی لواجمی طور پر نہ وہ ناسدہ ہے، ایسا روشن ستارہ ہے جس کے سسل اور چہرہ  
 کی شمعیں پھونکتی ہیں اور انہی قوی حقائق کی مانند ہیں جس کا جھاکہ رہتی آسمانی کی طرح ماحول کے  
 روشن کرنے والا ہوتا ہے۔ ان کی سیرت اعتدال و میانہ روی، اس کی سنت، رشد و صواب  
 ان کا کام ناطقی اور بعد کے اور اس کا بعد ہی برآمد ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلیفہ کی کائنات  
 سپرد کر کے آپ کی امت کی عزت و حرانی کرانی اور آپ کے وجود ہی جو کراہی عالم کیلئے باعث راحت و  
 رامت، نفع کے لیے و درجہ بدرجہ موجوداتوں کے لیے سبب عزت و شرف بنایا۔

نَهَضَ دَاجِيَ الْمَذْخُوبِ، وَدَاعِمَ الْمُحْشُوكَاتِ، وَ  
 حَاسِنِ الْقُلُوبِ عَلَى مَطَرِنَهَا، شَقِيْهَا وَسَعِيدِهَا، اخْفَقَ  
 شَرَّائِفَ صَلَوَاتِكَ، وَنَوَاجِي بَرَكَاتِكَ، عَلَى مُخْشَدٍ عَزِيدٍ  
 وَرُسُولِكَ الْحَايَةِ لِمَا سَبَقَ، وَانْفَاجِ لِمَا انْفَلَقَ، وَالْمُعْجِبِ  
 الْحَقِّ بِالْحَقِّ، وَالَّذِي مَعَ خِيَرَاتِ الْعَالَمِ طِبِ، وَالَّذِي مَعَ صَلَوَاتِ  
 الْأَصَالِيحِ، كَمَا حَمَلَ فَاضِلِّهِ، فَإِنَّمَا بِأَمْرِكَ مُتَعَوِّزَانِ  
 مَرَضَاتِكَ، غَيْرَ نَاجِيٍّ عَنْ قُدْرِكَ، وَلَا دَاوِيٍّ عَنْ عَزَمِكَ، نَاجِيَا  
 بِوَحْيِكَ، سَابِقًا بِعَهْدِكَ، مَا جِيءَ عَلَى نِقَادِ أَمْرِكَ، حَقِّ



اَوْدَىٰ نَفْسٍ النَّفْسِ، وَاصْأَدَ السُّمُورِقَ لِلْحَاظِطِ، وَهَدَيْتَ بِهِ  
 الْقُلُوبَ بَصَدِّ سَحَرِ صَانِ الْغَيْبِ وَالْأَشْيَاءِ، وَأَقَامَ بِمَوْجِزَاتِ  
 الْأَحْلَامِ، وَتَبَيَّنَاتِ الْأَحْكَامِ، فَهَوَا مِثْلَكَ الْعَامُّونَ، وَخَدَّيْتُ  
 وَجْهَكَ الْمُخَرَّضِينَ، رَشَّيْتُكَ يَوْمَ الدِّينِ، وَبَعَيْتُكَ بِأَقْنِ  
 نَدْوَيْكَ إِلَى الْخَلْقِ۔

اے اللہ! اسے دینوں کے فرس کو بچانے والے، اپنے آسمانوں کے شامیانے کو  
 اور محمود دستوں پر مارنے والے، دلوں کو اپنی اپنی سعید یا شقی فطرت پر پہنچانے والے،  
 شریعت تریں در دو سلام اور افراد تریں برکات اپنے برگزیدہ بندے اور اپنے محبوب رسول  
 پر نازل فرما جو پہلی سورتوں کے خاتمہ توں سے مقفل اور غریزہ دلوں کو قبولِ ہدایت کے  
 لیے اکھولنے والے ہیں جن کے بل کو حق و عقل در ان کی قوت اسے بالاکرنے والے، باطل  
 کے جو ش و خدوش و گندہ اُکرنے والے اور گمراہیوں اور ضلالتوں کی قوت و سطوت کو پاش پاش  
 کرنے والے ہیں، در دو سلام سے بعد و حساب بر ان پر کہ انھوں سے ہار گراں اور مسالمت  
 کو اپنے دستس مبارک پر اٹھایا اور رسالتِ خداوندی کی عظیم و سر دیوں سے بطریق  
 و احسن حمد و ہما ہوئے، اے مردِ فرماں پر عبور سے قائم ہے وہ تیری رضا اور خوشنودی  
 کے حصول میں سر بیج لعل تھے۔ تیری راہ میں آگے بڑھنے سے کبھی گریزاں اور عجب نہیں  
 تھے اور نہ ہی اس کے حرم میں کبھی کسی ضعف کو راہ لی۔ وہ تیری دلی کے حافظ و محافظ اور تیرے  
 حمد پر کئی سے قائم تھے، وہ تیرے ارفع و عظیم کے تقاد کے سچے پوری طرح کو شائے رے حتی کا اٹھو  
 نے طابین جن کے لیے توجہ و اہمیت کو فروزاں کیا اور گمراہیوں کے اہم جہروں میں ٹانگہ ٹوٹنے  
 ٹالوں کے لیے راہ و اہمیت کو روشن کر دیا۔ چنانچہ نقشہ و گناہ میں حرف دلوں سے، آپ کے سب  
 سے ہدایت پائی۔ آپ نے را و جایت میں منادہ اسے نور نصب کیے اور شریعت کے نورانی  
 احکام نافذ کئے وہ تیری دلی کے مستند و احسن اور تیرے معنی علوم کے خزانہ در تھے اور مذہبِ نبیست

نیری دواوری اور اہمیت مطلقہ کے گواہ ہیں گے، وہ تیسرے پیغمبر حق اور حق کی طرف سے  
فرستہ رسول تھے۔

اللَّهُمَّ افْخِ لَهُ مَفْصَحًا لِنُجَّتِكَ وَأَجْرًا مُمَّا عَطَاكَ الْخَيْرِ  
مِنْ تَصَدَّقَ، اللَّهُمَّ رَأْعِلْ عَلَى سَائِغِ الْبَابَيْنِ سَائِدُهُ، وَأَكْرِمِ  
لَدُنْكَ مَعْبَرَتَهُ، وَأَنْتِخِلْهُ نُورُهُ، وَأَجْرُهُ مِمَّا يُعْطَاكَ لَهُ  
مَقْبُولَ لَشَهَادَةِ مَنْ رُحِيَ السَّعَالَةُ، دَامَ مَطْنُ عَذْلِي، وَحَطْبِي  
فَضْلِي اللَّهُمَّ اخْتَمِ بَيْنَنَا بَيْنَ الْغَيْنِ وَتَرَارِ التَّقَةِ، وَ  
مَنْ الشَّهَوَاتِ، وَأَهْوَاءِ اللَّذَائِ، وَرَخَاءِ الدَّعَةِ، وَمُنْتَهَى  
الطَّمَعِيْنَ، وَتَحْمِيْلِ الْكِرَامِيْ، وَخَشْرَتَايَ زَمْرِيْهِ عَلَيْهِ حَرَكَه  
وَلَا تَادِمِيْنَ، وَلَا تَاكِبِيْنَ، وَلَا تَاكِتِيْقِيْ، وَلَا صَالِيْنَ، وَلَا  
مُصْلِيْنَ، وَلَا مَقْتُولِيْنَ ۝ (۱۰ ص ۱۰۲ ص ۱۰۳)

اے اللہ آپ کو اپنے سایہ رحمت و احسان میں وسیع و کشادہ مقام عطا فرما ان  
کے درجات عالیہ کو مرید بلند فرما اور ان تبلیغ رسالت کی راہ میں جو سچ و حق آپ نے  
برداشت فرمائے ان کی پواں شد میں، آپ کو اپنے فضل و کرم سے اجر عظیم ہر مساست فرما ان  
عطا فرما اور آپ کی رہا فرمودہ عمارت شریعت کو جلا، میا، کی بنا فرمودہ عمارت پر فروقت  
و بلند و بزرگی عطا فرما۔ ان کے طوے لایب میں احاطہ فرما، ان کے نور کو فروغ کامل  
عطا فرما اور ان کو رسالت کا ستریں اجر عطا فرما کہ نیری رحمت کے بارے میں ان کی تعلیمات  
مقبول و کامیاب ہوں اور ان کے فرمودات کو دل و جان سے پسند کیا گیا جو سراسر معنی  
بر عدل اور حق و باطل میں حد حاصل تھے۔ اے اللہ روزِ مشرق میں آپ کے سایہ رحمت میں  
حوشدار زندگی عطا فرما، اور منزلِ نعمات جادوئی میں جگہ دے جس میں ہم کی پاکیزہ خواہشات

ماصل اور روحانی لذات بہتر ہیں اور آسائش، تارغ الہالی اور سکون و طینان کی فراوانی ہے اور شرف و کرامت کے خیمے عام ہیں۔ ہمیں آپ کی جماعت میں اس طرح مشورہ فرما کر ہم لوگوں کو دوسرے بھروسے سے خوب اور بیان شکن ہوں اور نہ فریب خوردہ و فتنہ زدہ۔

## بَابُ الْعِلْمِ كِي سَالَانِهْ رَكْنِيَّتِ سَازِي

اُردو میں پہلی بار امیر المؤمنین حضرت امام علی بن ابی طالب علیہ السلام کے باب میں علمی، فکری اور تحقیقی جریدہ کی شکل سے "باب العلم" کا اجرا کیا جا رہا ہے جس میں تمام زبانوں اور تمام زمانوں کی ناڈ و نایاب تحریروں کا، تنقید و محصری تقاضوں سے ہم آہنگ مقالے اور مذکورے شامل ہوں گے۔

افراد و تفریط اور انحرافات کے اس گرد و خبار میں، امیر المؤمنین حضرت امام علی کی مہر و دھبہ کی ذیاستہ اسلام میں ابھرتی ہوئی حیات نے فکر دینی کی تحریک کو جلا بخش سکتی ہے۔

آج پہلے سے کہیں زیادہ امیر المؤمنین کے کردار و دامن سے نور علم و راغبی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

"بَابُ الْعِلْمِ" سال میں پانچ بار پیش کیا جائے گا، جس کا سالانہ ذراعات تہذیبی ہے۔

آپ کا تعاون "باب العلم" کے استکمال کے لئے از حد ضروری ہے۔

ہم اللہ سبحانہ تعالیٰ سے آپ کی توفیقات میں اضافے کے لئے دعا گو ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جناب شیخ محمد عبد کبار  
مفتی اعظم مصر

## مقدمہ نوجو البلاغہ

بعد حمد و نعت . قضا و قدر کے فیصلہ کے مطابق مجھے اتفاقاً بلاراہ کتاب  
نوجو البلاغہ کے دیکھنے کا موقع ملا . مجھے یہ کتاب اس وقت ملی جب میں پریشان  
حال تھا ، دل کو اطمینان نہ تھا ، ذہن مشغولی میں بہت تھیں ، مگر کام کوئی نہ تھا اس  
لئے میں نے اسے مونس قلم دہان سمجھ کر بعض صفحات پڑھے ، تلف مقامات  
اور متفرق موضوعات کے تھوڑے تھوڑے جملوں پر غور کیا ، تو مجھے ہر مقام پر ایسا معلوم  
ہونے لگا . جیسے لڑائیاں ہو رہی ہیں ، حملے کئے جا رہے ہیں . ساتھ ہی معلوم ہوتا  
ہے کہ بلاغت کی حکومت ہے . فصاحت کا اقتدار قائم ہے ، نیز ادا م سرشتیاں کر  
رہے ہیں اور شکوہ کس کے غلطی پر آمادہ ہیں ، جس کے ساتھ خطابت کے لشکر اور سپہ سالار  
بلغت کے دستہ نظم کی لڑائیوں اور انتظام کی صفوں میں مسلک ہو کر برق و شگفتگیوں  
اور گند کی نیزوں کے ساتھ شدید ضرب و پیکار میں مصروف ہیں اور دلائل کے پہلوں  
سے دلوں کو جس رہے ہیں ، جس کے باعث دوسو سوں کی شیطنت ختم (گنہ) ہوتی  
جملہ کا ہے اور ادا م کے شکر فنا ہوتے جا رہے ہیں ، اور پھر میں ذرا ہی دیر میں  
دیکھ گیا ہوں کہ حق کو تسخیر نصیب ہو چکی ہے اور باطل شکست کھا چکا ہے ، اور  
وہم کا فقر ختم ہو گیا ہے . اور اس حکومت کا مدبر اور اس غلبہ و اقتدار کا مرمیڈان  
امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب ہیں ، جن کے دست مبارک میں ہر حکومت تھا !

یہ کتاب جلیلہ و مجربہ ہے جسے سید شریف رضی رحمۃ اللہ علیہ نے سینا مولانا حضرت  
امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے کلام مبارک سے منتخب کیا ہے، اس  
کلام کے بکھرے ہوئے حصوں کو جمع کیا اور اس کو "شیخ البلاغۃ" کا نام دیا، اور  
میرے علم میں اس نام سے بہتر اس کتاب کی حقیقت کو ظاہر کرنے والا کوئی دوسرا  
نام ہو بھی نہیں سکتا ہے، میرے لئے یہ بھی ناگہن ہے کہ میرا اس کتاب کے نام  
سے بہتر اس کے وصف و تعریف کے لئے کوئی دوسرا نام لائوں۔

اور اگر یہ اپنی خاصیات اور فرائض کا احساس ہم پر اعتراف جلیل اور حسن  
کے احسانات کی شکرگزاری فرض نہ ہوتی، تو ہم کو یہ بھی بتانے کی ضرورت نہیں تھی  
کہ شیخ البلاغۃ میں کیا کیا فنون، نصائح اور بلاغت کے کیسے کیسے کئے موجود ہیں جبکہ  
اس نے کلام کے کسی شعبہ کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے، اور عقل کے لئے قبول کے سوا کوئی  
راستہ باقی نہیں رکھا ہے، مگر عبارت کتاب میں بعد زمانہ، نیز ہمارے زمانہ نے  
لوگوں کے اہل زبان سے بے تعلق ہو جانے کی وجہ سے کہیں کہیں غیر معروف الفاظ بھی  
اپنی خوبوں کے ساتھ، اور بیغ حیلے تعقید کے بغیر نظر آ جاتے ہیں جس کی وجہ سے  
مطالعہ کرنے والے کی فہم بعض فقرات یا مضمون کے بعض مقبوعات کے سمجھنے  
سے قاصر رہتی ہے، مگر یہ وقت لفظ یا معنی میں کسی صنف یا کمزوری کی وجہ سے  
پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اس کا سبب خود ٹھٹھانے والے کے ذہن کی کمزوری ہوتی ہے۔  
اور اس کی وجہ کو دیکھ کر مجھے یہ خواہش ہوئی کہ میں مطالعہ کے ساتھ ساتھ مل مشکلات  
کو بھی حل کرتا جاؤں، اور سمجھنے کے ساتھ اس کی توضیح بھی کرتا جاؤں، اور اس کے مشکل  
لفظات کو حل کروں اور بعض جملوں کی شرح کروں اور اس کے کچھ اشارات کو بھی متعین  
کروں، اور پھر یہ سب چیزیں لفظ فقرات ہی ہوں اور توضیح و تشریح بھی حتی الامکان  
مختصر رہی ہو اور ان توضیحات میں لغات کی مشہور کتابوں پر حتمہ کروں اور صحیح روایات  
ہی کو درج کروں، ساتھ ہی ساتھ میں نے امام علیہ السلام کے مسئلہ امامت سے متعلق  
جو روایتیں اس میں درج ہیں، ان کے جرح و تعدیل سے کوئی واسطہ نہیں رکھا ہے

بلکہ میں جتنا ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچتا، مجھے مناظر بدلتے ہوئے اور آثار متغیر ہوتے ہوئے دکھائی دیتے تھے، چنانچہ کبھی میں اپنے کو ایسے عالم میں پاتا جہاں میں اچھی عبادتوں کے جلوں میں معافی کی جند ترین رو میں آباد ہو رہی ہوتی تھیں اور وہ اچھے معافی اور پاکیزہ نفوس کے گرد طواف کر کے اور صاف قطب سے قریب ہو کر اصلاح کا پیام دیتے، مقصد کو پائیدار کرتے اور قطب کو نفوذ شوں کے غاص کرنے سے بچا کر فضل و کمال کے راستوں پر ڈال دیتے۔

اور کبھی اس کتاب پنج ابلاغہ، اسے مجھے ایسی خرام طبع ہستیاں نظر آتی جن کے دانت سما یاں ہوتے اور جس کی روح جیتوں کی شکل میں اور شاہین کا پنجرہ بن کر اپنے شکار پر حملہ کرنے کے لئے تیار نظر آتی، پھر وہ اپنے لشکار پر ٹوٹ پڑتی اور قطب سے خواہشات جہنمیں لیں اور طبائع کی ہوس اچک لیتی، اور غلط خواہشات اور اطل خیالات کو جھین کر اپنے قبضہ میں کر لیتی!

اور کبھی میں یہ دیکھتا کہ ایک عقل نوزائے جو جسمانی مخلوق سے کئی مشابہت نہیں رکھتا ہے، خداوندی کے شاہانہ جلوس اور سواری سے الگ ہو کر روح انسانی سے مل گئی ہے اور اس پر ٹپ ہے ہوئے حاوی صفر کے پردوں کو ہاک کر کے اسے شکست اعلیٰ کی طرف اٹھائے غمی ہے، یا مشہد نور مجلیٰ تک اسے لے کر پہنچا گئی ہے اور فتنوں اور ادبام کے داغ و خوں سے صاف کر کے، پایۂ عرش کے ایک طرف ٹھیرا دیا ہے۔ اور کبھی میں ایسا محسوس کرتا جیسے ایک حکمت نواز خطیب کی آواز یگانہوں میں آرہی ہے، جو بلند آواز سے کہہ رہا ہے، اور امت کے ارباب حل و عقد کو ندا دے رہا ہے، انہیں درست اور صحیح راستہ بتا رہا ہے، ملک کے مقاصد بھی دکھا رہا ہے اور قدم پھسل جانے والی جگہوں سے ڈرا رہا ہے، ان کی سیاست کے دقائق اور باریکیوں کی طرف رہنمائی کر رہا ہے اور عقلمندی کی راہوں پر نظر ڈال رہا ہے، سرکاری کواہات کے منصب سے فائز کر رہا ہے، اور سیاست دہرہ کی بلند گویا پر چڑھا رہا ہے اور وہ جگہ دکھا رہا ہے، جو انسانی اعمال کے انجام و طاقت کی بلگہ ہے۔

بلکہ مطالعہ کرنے والے کے فضل پر اسے چھوڑ دیا ہے کہ وہ ان مسائل سے متعلق مشہور اخبار و  
 آثار و روایات پر عبور رکھے، یا دوسرے درجے سے معاملات کو دیکھے، اس کے باوجود  
 عبارت کی توضیح اور اشارات کے تقیین میں بھی کوئی کمی نہیں کی ہے جس سے ہر مقصد  
 صرف یہ ہے کہ جو کچھ میرے ذہن میں موجود ہے محفوظ ہو جائے اور جو حوالہ میں موجود ہے  
 وہ یاد آجائے تاکہ نسیان اور اعراض و گمراہی سے بچ سکوں اور اس کتاب میں مجھے  
 صرف اس چیز سے تسق رہا ہے کہ اس کے بلند و عالی معانی و کلام و بلاغت کے  
 تمام شعبوں میں کس طرح رفیع و اعلیٰ عبارات و الفاظ کے قالب میں ڈھلے ہوئے ہیں۔

اکابر علماء و ایک جمعی صاحب جماعت نے اس کتاب کی شرح سے دلچسپی لی ہے اور  
 شرح کی ہے اور ان میں سے ہر ایک نے ان امور کو جو اس کتاب میں موجود ہیں بیان  
 کرنے میں مبالغہ و تطویل سے کام لیا ہے اور ہر ایک شخص ایک مسلک کی تائید و توثیق  
 اور ایک مشرب کی تعویہ میں مصروف رہا ہے، مگر مجھے ان کی تمام شرحوں میں یہ چیز  
 بکھر کر پڑی، اور ان شارحین کی طرف سے کتاب میں نقل اور درج کی ہوئی نظر تیں،  
 اس لئے اگر میں نے ان کے کہیں اتفاق کیا ہے تو یہ اتفاقی امر ہے، اور اگر کہیں مخالفت  
 کی ہے تو اپنے خیال میں دیکھا گیا ہے۔

بیز میں رہی اس فرہنگ کو کوئی شرح یا ترویج کے ضمن میں بھی نہیں شائع کرنا ہوں بلکہ  
 یہ بیع و بلاغہ کی صرف ایک فرہنگ و تسکیل ہے اور ایک ایسی چیز ہے جس سے بیع و بلاغہ  
 کے کناروں کو تازہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ساتھ ہی مجھے امید ہے کہ میری مختصر بیان اس زمانہ کے نوجوانوں کے لئے ناگزیر  
 ثابت ہوگا کیونکہ میں نے ان کو طلب علم کے راستے میں گھڑا ہوا دیکھا ہے کہ وہ زبان عرب  
 کو حاصل کر کے اپنے تک پہنچنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے عربی سلیقہ ڈھونڈتے ہیں،  
 اور لغوی مسلک حاصل کرنا چاہتے ہیں اور شعر و شاعری و مقرا و منشی و ادب و بلاغت  
 سے۔ لیکن وہ اپنی طلب اور کوشش میں بطور وسیلہ، مقامات اور کتب و مراسلات کو اپنا  
 دیکھتے ہیں جن کو مولدین نے لکھا ہے اور پھر شاعرین نے اس کی تعبد کی ہے جنہوں نے

ان کتابوں کے کہنے میں سوائے اچھے الفاظ اور صالح مقصدیں دیکھ کر مراعات اور اس طرح کے دوسرے لفظی غنات اور خوبیوں کے اور کوئی خوبی کی بات انہیں پیدا کی ہے اور اس کلام فنوں پر یہ دیکھا ہے۔ اگرچہ عبارتیں عظیم و جلیل معانی سے خالی رہیں یا رفیع طالع سبب جملہ سے محروم۔

بہر حال کلام کی اس نوع کو بعض لسان عربی کہہ سکتے ہیں۔ مگر نہیں کہہ سکتے، بلکہ اسے ضعف کلام تسلیم کرنا چاہئے، تو کلام کے ادنیٰ طباعت میں ضرور برائی۔ اور ادھر عاطفین اس کی خوبی اور جس سے درمیانی درجہ پر بھی نہیں پہنچا سکتا ہے اس لئے اگر وہ مذکور طریقہ کے بجائے ان چیزوں کے پڑھنے کی طرف مائل ہوتے جو اہل زمانہ اور صوفیاء اہل ریاض کے طبقہ اعلیٰ سے مقبول و مروی ہے تو اپنا غرض، در مقصود کو ضرور پانچا اور جس چیز کے لئے ان میں ترقیب تھی اس سے حاصل کر لیتا اور ماہرین عرب میں ہر شخص اس کا قائل ہے کہ اللہ اور اس کے کلام کے بعد مل ہی ابی طالب کا کلام، اشرف کلام اور بیشترین زبان ہے اور اس کے اعتبار سے اس کی درست کی کوئی انشاء نہیں ہے، اسلوب کے اعتبار سے بہت بلند ہے اور معانی کے لحاظ سے نورہ جلیل ترین مقام کا جامع ہے، اس لئے نفس دان کو حاصل کرنے کی طلب میں سرگرداں رہے والے، اور اس کے زینوں پر چڑھنے کی خواہش رکھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کتاب (سراج البلاغ) کو اپنا اہم ترین سرمایہ اور بہترین زین و قرار دیں، اور جس مقصد کیلئے یہ کتاب معدون کی گئی ہے ان معانی کو بھی سمجھ لیں اور ان پر غور کرنے کی کوشش کریں، اس کے الفاظ میں وہ معانی تلاش کریں، اس کے لئے وہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، تاکہ اس طریقہ سے اپنے بہترین مقاصد تک پہنچ سکیں، اس کے بعد میں اپنے کام میں اور ان طلبہ کی خواہشات میں اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی دعا کرتا ہوں اور اپنی کامیابی کی امیدوں کے برآے کی دعا کرتا ہوں۔



جناب سید انوار احمد بلگرامی

## کیا یہ حقیقت نہیں؟

مولیٰ قبل ان تفقدونی! پوچھ لو اس سے پہلے کہ تم مجھے اپنے درمیان نہ پاؤ۔  
یا ایدہم! بیشک ہم آپ کی یہ صدا، آپ کی یہ دعوت، فکر و نظر انسان  
ساز کی ترقیب کی یہ ندامتوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات اور دوسووں کے  
سامنے سوراخ بند کر دینے کی لاکھ ارتقاء انسانی کی ماروائی منزلیں جو جو اس فلسفہ  
کی دسترس اور تنگ و دوسے ہا میں ہیں اور بالوں ان کی شناخت پیدا کرنے کا  
یہ چیلنج اور تربیت الٰہی، اللہ کے سر کے غیب کے مصلوں سے اجنبیت دور کرنے  
اور اس راستے پر ہم کو گامزن کرنے کے لئے بلا دے کی یہ آواز آج بھی کانوں میں  
گوونج رہی ہے۔

یا علی! آج اسوۂ رسولؐ زندہ ہے اور اس طرح زندہ ہے کہ نہ صرف ہماری  
(مسلمانوں کی) بلکہ پوری انسانیت کی سرنوشت اسوۂ رسولؐ کے تحریک و تدبیر  
سے اور اس کے طریقہ کار (METHODOLOGY) سے وابستہ ہے۔

یا علی! آپ تو اس کے غواہ ہیں کہ خاتمہ کبہ سے جب آنحضرتؐ مشرکوں کے  
دھماکے و جیل مرکب کے سبیل ۳۰۰ گونگے، بہرے اور اندھے بتوں کو تاریخ کے  
کوڑے دان میں پھینکتے جاتے تھے تو ساتھ ہی ساتھ اپنی زبان صدق و صفا سے یہ  
بھی کہتے جاتے تھے: "انہ کان زہدقا" بطل کی قسمت میں جانا ہے، نابود ہونا

ہے۔ باطل مٹ کے رہے گا۔

یا امیر المؤمنینؑ آپ نے خود اپنے دھوکے حیرت اور سمجھ کا اس طرح نہیں دیا تاکہ رسول خداؐ کو خدائی اور ہدایت کے کسی کی پیروی نہیں کرتے تھے اور میں نیز بہ حضرت کی رہائی کے کسی کی پیروی نہیں کرتا تھا۔

یا ابو الحسنؑ آپ نے یہ بھی تو فرمایا تھا: قرآن کے تہذیبی نازل ہونے کے زمانے میں کوئی سہوہ اور کوئی آیت، جملہ اصطلاح و الفاظ یا حرف ایسا نہیں ہے جو مالی ہمنے ہوں اور آنحضرتؐ نے مجھے نہ سنا ہے ہوں اور مجھے نہ دکھوائے ہوں میں حکم کے بموجب اوکو صحیح سمجھ لینا تھا۔ آپ مجھے صرف قرآن کا متن ہی املا میں کرو تھے بلکہ منطوقی شرح بھی مشابہت اور ہر سہوہ کی تائید میں منظر اور اس کے پس منظر اور اس کے مضمرات بھی دکھواتے علاوہ ان کے آپ نے قرآن کی مصروفیت کے ہزارہا اعداد (DIVERSITY) اور دنیاوی نکات تعمیم فرمائے جن میں ہر دنیاوی نکتہ دیگر تہذیبوں کی طرف دہنل کرتا ہے۔

یا علیؑ جس تعلیم و تعلم اور دہری اور اس کی پیروی کا آپ ذکر کر رہے ہیں یہاں تو وہ اسوۂ حسنہ ہے جو کامی لے پوری انسانیت کے لئے عینارہ نو ہے، اور ہر زمانے سے زیادہ آج بھی اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ آج طاغوتوں کے کراہ اور من کو حاکم کرنا چاہتا ہے۔ یا علیؑ کیا آپ دے ہو کہ یہ نہیں سمجھا یا، اور کرائے کی کوشش نہیں کی کہ جو بھی اس قرآن کا ہم نہیں ہوا وہ ہدایت کو بڑھکا اور گمراہی اور ذلت کو گھٹا کر اس سے قلم ہوا، جن لوگوں کسی کو قرآن کے (تہذیبات) کے بعد کسی اور لائق عمل کی (احتیاج نہیں مانتی) اور نہ کوئی قرآن سے کچھ سیکھنے سے پہلے اس سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ یقیناً بدوں کے لئے اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا اس جیسا کوئی ذریعہ نہیں۔ قیامت کے دن ایک ہر آدمی والا پکار کر کہے گا کہ مجھ کو قرآن کی کشتی ہونے والوں کے علاوہ ہر آدمی والا اپنی کشتی اور اپنے اہل کے نتیجے میں جہنم سے ہم اپنے پروردگار تک پہنچنے کے لئے راہ بناوا اور اس کے مقابلے میں کوئی خواہشوں کو غلط و غریب خود راہ سمجھو۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج ہم مسلمان ایک ایسے ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں کھڑے ہیں جہاں

موسلمین، یہی مسلم ہیومنزم، سیکولرزم، کمیونزم، اشتراکیت اور اس قبیل کی ساری فانی دنیا  
 آرائیاں اور اختراعات، ہمہ وقت دستیاب ہیں۔ شدید قسم کے دائیں بازو والے اور  
 شدید قسم کے بائیں بازو والے امریکہ اور روس، مغرب اور مشرق کے بیچ میں ڈکیاں  
 لے رہے ہیں۔ اپنی حقیقی میراث اور اپنی یہ مثال پر بھی سے بے خبر مے پر راہ، اپنی  
 کھٹی اور لپٹے اعمال کے میوہ میں مبتلا ہیں۔

یا ابراہن! آپ نے تو ہمارے لئے ایک واضح معیار مقرر کر دیا تھا۔ آپ نے  
 مسلمان کو ایسا زہ دار انسان بتایا کہ اگر اس کا نفس کسی ناگوار صورت حال کو برداشت  
 کرنے سے انکار کرے تو وہ اس کی من مانی خواہش کو لپٹا نہیں کرتا۔ حقیقی مسلمان  
 سے بھلائی ہی کی توقع ہو سکتی ہے۔ اور اس کے عزیز کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ اس لئے  
 کہ کسی کا دشمن بھی ہو اس کے خلاف بے حارز با دئی نہیں کرتا اور جس کا دوست ہوتا ہے  
 اس کی خاطر بھی کوئی گناہ نہیں کرتا۔ قبل اس کے کہ اس کی کسی بات کے خلاف خواہی کی  
 ضرورت پڑے وہ خود ہی حق کا اعتراف کر لیتا ہے۔ جن سے داری اختیار کرتا ہے تو  
 وہ زہر و پاکیر کے لئے ہوتی ہے۔ اور جن سے قریب ہوتا ہے تو یہ خوش خلقی و رحم کی بنا،  
 ہمت۔ نہ اس کی دوری غرور و کبر کی وجہ سے اور نہ اس کا میں جول کسی قریب اور  
 مکر کی بنا پر ہوتا ہے۔

یا امیر المومنین! آپ نے ہماری ہدایت کے لئے ایک مشہور چہرہ اور بھی ہم لوگوں  
 کو دکھا دیا تھا تاکہ ہم اپنے راستے کو انتخاب کرتے وقت دونوں تصویریں پختی نگاہوں  
 کے سامنے رکھیں اور پچھے اور برے، مفید اور ضرر رساں کو اچھی طرح پہچانیں اور  
 نتائج اور انجام کی پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے حق اختیار (۱) اور کو مستقل  
 آپ نے فرمایا: "میں تم کو منافقوں سے بھی چوکنائے دیتا ہوں کیونکہ وہ گمراہ اور گمراہ کرنے  
 والے مے راہ اندھے راہ روی پر لگانے والے ہیں۔ وہ مختلف رنگ اور ہر بات میں  
 جدا گانہ پیرا بناتے ہیں اور تمہیں ہم خیال بنانے کے لئے ہر قسم کے مکر و فریب کے ارٹوں  
 کا سہارا دیتے ہیں اور ہر حالت کی جگہ تمہاری ناک رنگ لئے بیچے ہیں۔ ان سے دل و لہاق

کے بزرگ ہیں مبتلا اور چہرے (مظاہر کردہ قوتوں سے) پاک و صاف ہیں۔ وہ غافل ہی مانند  
 چاہیں جیتے ہیں اور (سیکھنے کے لئے) اس طرح رہتے ہیں جو جیتے ہیں جس طرح مرض چپکے  
 سے سرایت کرتا ہے۔ ان کے طور طریقے دوا باتیں، شفا اور کثرت اور وہی درماں ہیں  
 درد سروں کی خوشحالی پر جلتے والے ہاہیں مصیبتوں میں پھنسلنے کے لئے جود جہد کرنے  
 والے اور انہیں بچھڑانے والے ہیں ہر گنہگار ان کا ایک کشتہ اور ہر دل میں گھر کرنے  
 کا ان کے پاس وسیلہ ہے اور ہر غم کے لئے اس کی رانگھوں میں مگر کچھ کے ہاتھوں میں ایک دوسرے  
 کے قریب کے طور پر مدح و ستائش کرتے ہیں اور اس کا بدلہ دیے جانے کی آس مانگتے ہیں  
 ہیں۔ اگر جاتے ہیں تو ہیٹ ہی جاتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں تو رسو کر کے کہہ دیتے  
 ہیں۔ اگر کوئی فیصلہ کرتے ہیں تو بے راہ روی میں حد سے جڑ جاتے ہیں۔ انہوں نے  
 ہر حق کے مقابلے میں باطل اور ہر راست کے مقابلے میں کج۔ ہر زندہ کے لئے قاتل۔  
 ہر دے کے لئے گیند اور ہر رات کے لئے چراغ بتیا کر رکھا ہے۔ وہ بے آگاہی میں آسمان پیدا  
 کر دیتے ہیں کہ جس سے لپٹے بازار جہائیں اور اپنے مال کو راج دیں۔ غلط بات کو صحیح  
 بات کے اندر میں کہتے ہیں اور باطل کو حق کا رنگ دے کر پیش کرتے ہیں انہوں نے سوچے  
 لئے تو راستے آسمان بنا رکھے ہیں اور دوسروں کے لئے پیچیدہ گیان ڈال دی ہیں۔ وہ  
 شیطان کا کردہ اور آگ کا شعلہ ہیں۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ: اَوَلَمْ يَخْلُقْنَا  
 الْاِنْسَانَ مِنْ طِينٍ ثُمَّ اَعَادْنَاهُ لِرَبِّهِمْ ۚ یہ شیطان کا کردہ ہے اور جاننے والے شیطان  
 کا کردہ ہی گھانا اٹھانے والا ہے

یا مفلح! آپ نے حزب اللہ اور حزب شیطان کی واضح شناخت کرادی ہے جم کو  
 شیطان کردہ کی جس نے اس پر سے کردہ مرض کو اپنی ہیٹ میں لیا ہوا ہے۔ واضح  
 نشانہ کر دی اور صاف صاف بتا دیا کہ باطل کو حق کا رنگ دینے والوں سے ہم  
 بھائی ہیں۔ حق کے علمبرداروں کے طرفدار نہیں حق کے پرچم کو سر بلند رکھیں۔ اللہ سے  
 ڈرنا۔ اپنے مہدار اور اپنے معاد کو یاد رکھیں۔ اپنی تبتدیر کو نظر میں رکھیں اور اپنے انجام  
 پر نظر کریں۔ آپ نے ہم کو بتا دیا کہ تمہیں تو بس یہی چاہئے کہ تم واضح نشانوں پر چلتے

رہو اور تم سے پہلے لوگوں نے جو کہا ہے۔ اسے دہراتے رہو۔ اللہ تمہاری منزلت پر دنیا کا زور لے چکا ہے۔ اور تمہیں صرف شکر گزار رہنے کی ترغیب دی ہے اور تم پر واجب کیا ہے کہ اپنی زبان سے اس کا ذکر کرتے رہو اور تمہیں تقویٰ اور ہر سیرگاری کی ہدایت کہ ہے اور اسے اپنی رضا و خوشنودی کی حد آخر اور مخلوق سے اپنا سوا قرار دیا ہے۔ جو اللہ سے ٹسے گا وہ اس سے نئے نشوں سے کج کر نکلنے کی راہ نکال دے گا۔ اور اندھیروں سے اجالوں میں لے آئے گا۔ اور حسب دل خواہ نعمتوں میں اسے ہر شے رکھے گا۔

(سبح، بھلائے سے التماسات احمد بنے گئے۔)

سید انوار احمد بلکٹی (جی) کے فکر انگیز کتائیں :-

- ۱۔ بعد از موت حرکت ۱۲ حسین وارث الیہ ۲۔ سبیل مدلل
- ۳۔ طاعت پرورد ۱۵ احسان زمین ۱۶ جہان نر
- ۱۷ شکست شب (زیر چاپ)

# الانقلاب الاسلامی کی بنیاد پر

پروفیسر حامد الگار

انگریزی سے ترجمہ ۱۔ سید الیہ وارث الیہ

نور محمد

جناب ماحرم کارم شیوازی

فارسى سے ترجمہ جناب تیرہ صفر حسین رضوی کالہ

## ہنج البلاغہ کی جاذبیت کا راز

عرضہ دراز سے ہنج البلاغہ اپنے تمام شکوہ و غفلت و الہامی خطوں و اپنی دور رس فکر اپنے اجتماعی مسائل کی تفصیل اور معرفت خدا وندی کے اسباق، اپنی دلولہ انگیز تقاریر اور مصیبت زدہ اور کمزور انسانوں کیلئے پہلے قید و مشروط کے بیان کے ساتھ ہماریسے درمیان موجود ہے۔ لیکن عاص طار کے علاوہ اس سے عوام واقفیت نہ رکھتے تھے اور عوام کو صرف یہ معلوم تھا کہ یہ ایک الہام بخش انقلابی کتاب ہے، یہ بڑی تکلیف دہ حقیقت ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس لاعلمی اور بے اعتنائی پر غور کیا جائے اور اس کے ملل و اسباب معلوم کئے جائیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ آخر کار ہنج البلاغہ نے اس بے توجہی اور جہالت کے پروردہ کو جاگ کیا اور سب سے بڑی بھول کے گرد غبار کو عقل انسانی سے دور کیا تا جہنج البلاغہ مثل قرآن مجید کے عام لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اور اس نے عوام کا جمود دور کر کے ان میں حرکت پیدا کی اور آتش انقلاب کو بھڑکایا اور جو پیشی تقاریر اور یہ جو شش نظموں، اور انقلابی افکار نے ایک مقام پیدا کیا اور عوام پر علم و آگاہی کا ایک دروازہ کھولا اور انہیں یہ بتا دیا کہ وہ سخت مصائب و آلام کے اوقات میں کس قدر کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں۔

بات یہاں تک پہنچی کہ غرضتہ شہنشاہی طاقتوں حکومت نے بیخ ابلاغ کو ایک ممنوع الاشاعت کتاب قرار دے دیا اور ان کا یہ خیال درست تھا، اس لئے کہ بیخ ابلاغ ان کا ایک ایسا دشمن تھا کہ صلح پر کسی طرح آملا نہ کیا نہ ہوتا تھا اور مظلوموں، غریبوں اور مسلمانوں کا یہی خواہہ درست، اس کے بعد عمومی افکار میں بیخ ابلاغ کی معرفت کے لئے ایک لہر پیدا ہوئی اور تمام افراد خاص طور سے نوجوانوں نے پوری تکی سے کوششیں کیں کہ اپنے کو بیخ ابلاغ تک پہنچائیں اور اس کے خالص سرچشمہ سے سیراب ہوں آج بہت کم گھر ایسے ہیں کہ جن میں بیخ ابلاغ موجود نہ ہو اور ہمارے معاشرے میں بہت کم لوگ ایسے ہیں کہ جنہوں نے بیخ ابلاغ کی پرکشش تحریر سے اثر نہ لیا ہو۔ ہمارے عقیدے کے مطابق جو کچھ بیخ ابلاغ کو خصوصی امتیاز حاصل ہے اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ یہ انسانوں کے پیشوا کا کلام ہے اس کی حیثیت اور حیثیت نگیزی حسب ذیل ہے۔

(۱) یہ انسانی زندگی کے حقیقی مسائل پر سدوشنی ڈالنے والا ہے۔

اس عظیم المرتبت کتاب کے تینوں حصوں (خطبات، خطوط اور مختصر کلمات) میں انسان کی زندگی کے اصل مسائل بیان ہوئے ہیں۔ تمام مقدمات، مبادئ انسانیت کے دروآلام اور عقیدوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور ان کے علاج کے طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔ بیخ ابلاغ صرف ایک منطقی اور فلسفیانہ کتاب نہیں ہے بلکہ حضرت علی علیہ السلام ایک مرد عمل اور کامیاب و کامران انسان ہیں وہ صرف باتیں بنانا نہیں جانتے تھے ان کے کلام میں ہر جگہ ایسی مقصد ر عملی زندگی کو سامنے رکھا گیا ہے، اگر ہم خود کو سب تو ہم پر یہ بات ثابت ہو گی کہ الخلاطون اور ارسطو کے فلسفے سے یہ ممکن نہ ہو سکا کہ وہ جہنم انسان کو حرکت میں لائے اور یونان کے فاسد نظام کو سرنگوں کرے دنیا کے دوسرے ممالک کا تو ذکر ہی نہیں، لیکن حضرت علی علیہ السلام کی بیخ ابلاغ نے تعلیمات قرآن اور اسوۂ کرمہر انسانیت ر سرکار (دو عالم) کی زندگی میں ایک عالمی انقلاب پیدا کیا اور جمہور کی فضائل حرکت پیدا کی اس کی ایک امر پر نظر کرتے ہوئے یہ بات واضح

ہو جاتا ہے کہ ایک شخص ہمارے سامنے ایسا آتا ہے جس کا عمل بے نیازی پر مبنی ہے۔  
 ظاہر ہو کہ انسانی زندگی جو دور ہو جاتا ہے اور دوسرا زندگی کی ہر فصل اور تجربہ نظر  
 رکھتا ہے اس کی بات معاشرہ میں حرکت پیدا کرتا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ پیدا  
 انسان غریبہ کی پیداوار ہے جو کہ جہور کے بچوں، بچہ اور باطن نگاہوں میں گرفتار  
 رہتا ہے اور دوسرا تعلیمات، آسمانی اور سرخوشہ وحی کو جو فطرت کے میں مطابق  
 ہے اسے پھونک دیتا ہے۔

(۲) صحیح البلاغہ انسانی جہان کا زخموں کا مرہم اور علاج ہے۔

آپ کو کوئی اور کتاب ایسی مل سکتی ہے، کہ جو غم دینے والوں کے لئے  
 اس طرح فریاد کرے۔ ایسی فریاد جو انسانوں کے علم میں اضافہ کرے اور تصدیقات  
 حاصل کرنے کے لئے ان میں توبہ و تدار پیدا کرے۔

مثلاً جب کہ آپ فرمان بنام ملک اشتر میں معاشرہ کے غم و ہول سے متعلق بات  
 کرتے ہیں تو انما زکام، یک خاص، اطمینان اور سلیم سے آئے بڑھتا ہے لیکن جیسے ہی  
 آپ کی گفتگو محروموں اور بد نصیبوں کے ذکر تک پہنچتی ہے تو آپ کا بیان ایسی بلندی پر  
 کو پہنچے گا کہ آپ دل کی گہرائیوں سے فریاد کر رہے ہیں

واللہ من الطغۃ العظمیٰ والذی لا یستغفر  
 من الذنوب والاعمال البوس  
 والرسو

خدا کے لئے! خدا کے لئے! اے ملک! سپہانہ اور محروم طبقہ میں سے ان  
 لوگوں پر خاص نظر رکھو جو مصیبت زدہ ہوں اور غربت کی وجہ سے کوئی چارہ کار نہ کہتے ہو  
 آپ اپنے اس کلام کو اس خاص فرمان میں جو آپ نے اس محروم طبقہ کے بارے  
 میں تحریر فرمایا ہے مکمل کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ تم بذات خود بغیر کسی واسطے کے  
 تمام حکومت اسلامی میں ان کے حالات کے بارے میں باخبر ہو اور ہمیشہ ان کے  
 معاملات کے جو بار ہوتا کہ ان کے ساتھ مکمل انصاف کیا جائے پھر اس شخص کے  
 لئے کہ محروم اور مظلوم انسان تمہارے مصاحبوں اور درباریوں کی وجہ سے بالکل مجبور



نہ ہو جائیں اور تم کنگدان کی رسائی نہ کر سکیے۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں۔

هو اجمل من اهل الدنيا منكم لانا... وصرح امام به شخصك وتبذل له... معطياً ولفظ  
فتواضع به في الله... وصرح امام به شخصك وتبذل له... معطياً ولفظ  
فتواضع به في الله... وصرح امام به شخصك وتبذل له... معطياً ولفظ  
فتواضع به في الله... وصرح امام به شخصك وتبذل له... معطياً ولفظ

صاحبانِ سرزمین کے لئے اپنے وقت کا کچھ حصہ مخصوص کر دے تاکہ تم ہر چہرے  
کے لئے نگر نہ کر ان کے ساتھ مشغول ہو سکو۔ اور ایک جلسہ عام میں بیٹھ کر جس کے  
دورانہ سے سب کے لئے کھیلے ہوں اور ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔

انشاء کے لئے جو تیار راضی کرنے والا ہے اپنے نگہبانوں اور محافظوں کو اس جلسہ  
سے دور رکھو تاکہ نہایت آزادی سے بغیر کسی خوف و ہمت کے بات کر سکیں اس لئے کہ  
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ مختلف مواقع پر فرمایا کرتے  
تھے جو امت میں غلو کے حق کو صاحبانِ طاقت سے منہ لے سکے وہ کامیابی کا راستہ کبھی نہ  
دیکھ سکے گی۔

نصرت اس فرماں میں کہ اپنے فرزندوں اور تمام دوستوں سے رشتوں میں  
بہتر شہادت دہر بھی فرما کر رہتے تھے۔

نادر عالم میں آپ نے کہیں پڑھا ہے کہ ایک حاکم اپنے محکوم کو ایک جائز دعوت  
صاحبان میں شرکت پر اس طرح تنبیہ کرتے جیسی کہ حضرت علی علیہ السلام نے فہم بن حنیف  
کو فرمائی ہے وہ صرف اس دلیل پر کہ صاحبانِ ثروت اس دسترخوان پر موجود تھے اور وہ  
غریب و نادار شاخص و اس عہد و اس عہد میں آپ نے سنا ہے کہ کوئی حاکم اپنے  
محکوم کے لئے اس امر کو بدترین درد شمار کرے کہ وہ رات کو بیٹ بھر کر سرائے اور میں  
کے چاروں طرف بھوکے لوگ ہوں۔

و حسبك لا ان تيب بطله و حولك اكلوا نحل الى الله

حضرت علی علیہ السلام نے شیخ ابوالفہ میں اپنے خطوط میں اس امر پر تہناتی

ناراضی اور تکلیف کا اظہار فرماتے ہیں کہ لشکر آباروں سے غزنو نے دقت ان کا مزاحم بخود اہل دنیا کی سیاست جو کہ معمولات پر اثر انداز ہوا کرتی ہے اور درحقیقت کے وقت ان کی تیز رفتاری کو کوئی قافی اعتراض چیز نہیں سمجھے ہیں اس کو آپ اہل ہند اپنے یہ خیال فرماتے تھے۔ شیخ البلاغہ کے ساتھ میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اہل لشکر شہروں اور دیہاتوں سے غزنو نے دقت وراسی بھی تکلیف وہاں کے رہنے والوں کو نہ پہنچائیں اور کسی قسم کا ان کا مال غصب نہ کریں لیکن یہ کہ انتہائی ضرورت ہوں۔ بھوکے ہوں کہ جس سے ان کی جان خطرہ میں نہ پڑے گا اندیشہ جو ایسے وقت میں حفاظت جان کے لئے قدر ضرورت کے سیکھے ہیں۔ خاص طور سے اس خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں ہندو خدو لشکر کے پیچھے چل رہا ہوں، اگر کسی قسم کی کوئی شکایت بخود بھی پہنچائی جائے تاکہ میں اس کا انتظام کر سکوں۔

امیر المؤمنین کی شخصی زندگی سطور شیخ البلاغہ میں وضاحت کے ساتھ تحریر میں آتی ہے آپ ان نام لوگوں کے لئے ایک کامل نمونہ ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ مستضعفین کے ساتھ مکمل ہمدردی کی جائے۔ اور ان کے ہر وہ درد کا علاج کیا جائے اور ان کی ہر تکلیف کو دور کیا جائے آپ ہر جگہ اور ہر مقام پر ایسے طالبان اصلاح کے مسدوا ہیں۔

مختصرات یہ ہے کہ شیخ البلاغہ معائب و آلام میں مظلوموں کے ساتھ ہے اور ظالموں اور بے رحم لوگوں کی سخت ترین دشمن ہے۔ اس دلیل سے یک سب سے بڑی شرط جو آپ لشکر کے سرداروں کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں یہ ہے کہ لوگ طاقتور لوگوں کے مقابلہ میں طاقتور اور کمزوروں اور ضعیفوں کے لئے نرم دل اور ہرطن ہوں۔

(۳) شیخ البلاغہ اور آزادی۔

یہی بات معلوم ہے کہ سب سے اہم انسانی مقصد بغیر بن خدا ہے کہ وہ انسانوں کو قید ظلم سے آزادی دلائیں کہ جو اس ارشاد کے مطابق

آپ نہایت وسیع دیکھ بھانے پر انجام دیتے تھے۔ بیچ البلاغہ میں یہ بنیادی مقصد  
 یہ فیضانِ خدا کا رشتہ تحریر میں آیا ہے۔ جہالت اور لامبانی کی قید سے آزادی جو  
 خود غرض خالصوں کی جہالت کا سرچشمہ ہے اور ان کے ظلم و ستم پر تدبیرت ہے خواہشات  
 نفسانی، حرص و ہوس اور تمام رذائل سے آزادی جس کو اسلام کی زبان میں  
 جہاد کہہ کر کہا ہے۔

خاص طور سے ظلموں، خطوط اور فقرات وغیرہ میں تمام جگہوں پر جس قدر  
 نفس کے ساتھ جہاد کی تاکید کی گئی ہے اس سے زیادہ اور کسی موضوع پر اتنی روشنی  
 نہیں ڈالی گئی ہے کچھ لوگ عام طور سے سمجھتے ہیں کہ یہ خطبے اور تقریریں صرف ایک  
 اخلاقی گفتگو ہیں ایسا نہیں بلکہ براہ راست یہ اجتماعی مسائل سے تعلق رکھتے ہیں اس  
 لئے کہ بہت سی شکستیں اور پسماندگیوں اخلاقی انحطاط ہی سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً خود غرضی  
 اور حسد، تکبر و غرور اور خود پسندی۔

(۳) بیچ البلاغہ عدالت اجتماعی کی ایک پکار۔

ایسی دنیا کہ جس میں ظلم و ستم ہر طرف چھایا ہوا ہے اور ظالم مظلوموں کا خون  
 چوسنے میں لذت محسوس کر رہے ہیں جہاں کہیں بھی عدالت کا فقرہ الاپا جائے دست  
 ہے لیکن اگر اس کا انتظام تمام عالم کے مقامات کے لئے کیا جائے تو اس سے بہتر اور  
 کون سا نئے ہو سکتی ہے۔ بیچ البلاغہ کی آپ ذہاب کی صرف یہی ایک دلیل کافی ہے کہ  
 وہ ہر جگہ کے لئے عدالت و انصاف کی منادی ہے اور ہر جگہ مظلومیوں کی ہمدرد اور  
 ظالموں سے جنگ کرنے والی ہے۔

حضرت اعلیٰ علیہ السلام کے پر انتہاء خطوط ہر جگہ دعوتِ عدالت دینے والے اور  
 ستم گرانہ رد و کار کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے والے ہیں۔ اس لئے کہ کوئی خوب  
 کمالات نہیں ہے اگر تم یہ کہو کہ بیچ البلاغہ مظلوموں کی حمایت اور ظالموں سے جنگ کا  
 ایک مکمل آئین ہے اور ہمیشہ اس شیریں چشمے کے اطراف میں عدالت و انصاف کے

پہلے جمع رہتے اور اس سے اپنی حکومت کی بنیادیں بکھلتے ہیں۔ بیخ ابلاغہ کی گشت کے اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ ہے کہ جس میدان میں یہ قدم رکھتی ہے اور حقائق کو بیان کرتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد اس میں یہ طوئی رکھنا ہے اور اس موضوع کے غور و خوض میں اپنی پوری زندگی گزار رہی ہے۔ جس وقت امام علیہ السلام توحید باری تعالیٰ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہیں تو ان کی نظر میں ایک الہی غلطی، جسم ہو کر سامنے آ جاتا ہے آپ سے بہتر اسرار صفات، جلال و جلال خداوندی پر کسی نے گفتگو نہیں کی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد نے انہی امر کا تیر وقت اسی موضوع کی بنا پر صرف کر دیا ہے اور یہی موضوع اس کا خاص و انحصار موضوع ہے۔ جبکہ مقصود امام خلاق عالمین کی توحید پر گفتگو کرتے ہیں اور صفات جلال و جلال الہی پر روشنی ڈالتے ہیں تو اپنا شیل و نظیر نہیں رکھتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقصد کا موضوع خاص و بیکار ہے اور اس میں اس نے اپنی زندگی صرف کی ہے نہ وہ جسم کی طرف قدم اٹھاتے ہیں اور نہ تخیل صفات و صفات کو بیکار قرار دیتا، کی طرف اور ہر طرف عالم کا ایسا تعارف کراتے اور معرفت الہی پر روشنی ڈالتے ہیں کہ پھر وہ چاروں طرف اس کے آئینے کی اپنی ریح میں ذات ہمارے گار کو محسوس کرتا ہے اور اسے ہر طرف خدا ہی خدا نظر آتا ہے اور وہ معرفت الہی سے سرشار ہو جاتا ہے۔

جب ہم بیخ ابلاغہ کی طرف گرائی کرتے ہیں تو ہماری نظر ہمارے متعلقہ امور پر ٹھہر جاتی ہے۔ ہم اپنے سخی اور ہمارے وعاید کو دیکھتے ہیں کہ جو جتنی لباس پہنے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہمیں جنگ اور اس کے گراپنے مانتوں کو مسکتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی عمر اسی میدان میں صرف کی ہے اور جنگ کے علاوہ اس کا کوئی مشغلہ ہی نہیں رہا ہے۔ ہمیں بیخ ابلاغہ کے مطالعہ میں یہ نظر آتا ہے کہ امام علیہ السلام حکومت کی کرسی پر جلوہ فرما ہیں وہ حکومت کے آداب و شرائط اپنے صوبہ داروں اور ناظمین حکومت کے لئے بیان کر رہے ہیں، تمدن کے عروج و زوال پر سیر حاصل گفتگو کر رہے ہیں، ظالم قوتوں کی سرکشت اور انسانی سکون و آرام کے توازن و ضوابط اور سیاسی و فوجی مسائل

مسائل اعلیٰ ترین بحثی دلائل کے ساتھ طالبانِ ہدایت کے لئے بیان کر رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے حکومت کے علاوہ اپنی ساری فکر کوئی کام ہی نہیں کیا ہے۔

پھر ہم دوق پٹے ہیں تو امام علیہ السلام کو مستی اخلاقی و تہذیب نفوس پر جلوہ افروز دیکھتے ہیں ایک عاشقی صادق اصلاح نفس کا طالب (ہمام) ترکہ نفس اور ترمیمِ عادات کے لئے ایک نئے قطب کی درخواست کرتا ہے اور وہ ایسے بیٹھا ہوا ہے کہ ایک دوہام سے سیراب ہوتا نظر نہیں آتا، امام علیہ السلام اپنے علمِ لدنی اور معرفتِ الہی کے دروازے اس کے قلبِ صادق پر بس طرح داکرتے ہیں اور عرشِ اعلیٰ کا درکس اور بے تعلقی دیا کا سبق اسے پڑھاتے ہیں اور ہر بیزگاروں کی صفات سے تقریباً سو صفتیں اس کے سامنے بیان کرتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ اس موضوع پر فکر کی ہے اور دنیا کے کسی مشغلہ سے سرور کار نہیں رکھا ہے۔ ایسے پُر اثر اعلاز میں اصلاح نفس اور راہِ معرفت کے متلاشیوں کے لئے بیان کرتے ہیں جو یا کہ زمانہ ورنہ ایک آپ کے مسندِ اخلاقی پر قیام فرمایا ہے آپ اس طرح بے تعلقی دنیا کے موضوع پر گفتگو فرماتے ہیں کہ سائل (ہمام) اس بیان کو سننے کے بعد ایک چیخ مارتا ہے اور اس کی لاش زمین پر گر جاتی ہے۔ کلام کے اس درجہ پُر اثر ہونے کی مثال ساتھ تاریخ میں نہیں ملتی اور حقیقت کج البلاغہ کا یہ تعصبات کہ جن میں سے ہر ایک اپنی نوع میں عظیم الشان ہے انتہائی حیرت انگیز اور تعجب افزا ہیں۔ ماحصل گفتگو یہ ہے کہ شیخ ابیہامد ایک ایسی کتاب ہے جو اس زمانہ میں اور آئندہ آنے والے زمانوں، موجودہ نسل اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے نمونہ کامل ہے، راہبر اور راہنما ہے ان تمام مقامات پر جہاں جہاں سورج طلوع ہوتا ہے یا موسمِ بہار آتا ہے۔ جیساں چمکتی ہیں طوفان آتے ہیں اور موجیں شور برپا کرتی ہیں حتیٰ کہ ناقابلِ فہم مسلمانوں کی انتہائی بلند ہوا اور آسمانی حیرت افزا رفتوں تک۔

ہزار سالہ جہشِ نبی علیہ السلام کے موقع پر عالمی کانفرنس میں پڑھا گیا مقالہ۔

بطوریکہ بنیاد شیخ ابیہامد ہمدان

جناب سید محمد تقی

انگریزی سے ترجمہ جناب پروفیسر مراد نقوی

## نتیجہ البلاغہ

عقلیت خیز تحریکوں کے مآخذ کی حیثیت سے

نتیجہ البلاغہ فصاحت و بلاغت کا ایک ایسا شاہکار اور تاریخ گیر ادب تاریخی  
ساز خطبات و کلمات کا ایک ایسا مادر مجموعہ ہے جو اپنے دور تمدن سے آج  
تک بلکہ صحیح تر بات یہ ہے کہ جس وقت ان کلمات اور خطبات کو ارتداد فرمایا  
گیا اس وقت سے آج تک تاریخ کے ہر دور میں، علی ترین اخلاقی اقدار  
کے حامل ادب عالیہ کے بے مثل اور ناقابل تقلید نمونے کی حقیقت لکھتے ہیں،  
لیکن عصر حاضر اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم اس سرچشمہ علم و حکمت پر نسبتاً  
مختلف سطح سے گفتگو کریں اور ماضی کی روایت سے ہٹ کر جدید تناظر میں اس  
کتاب کی عظمت اور اہمیت کو دریافت کرے کی سعی کریں۔ گفتگو کی یہ نئی وجہ  
سطح اہمی اہمیت کے اعتبار سے اگر پرانی سطح سے زیادہ اہم نہیں ہے تو بھی اس  
کے مساوی ضرور ہے، اگر فکری اور ثقافتی تناظر میں اس کتاب کی اہمیت کا  
مطالعہ کیا جائے تو ہم پر یہ حسرت برائے دیگر حقیقت منکشف ہو سکے گی کہ یہ عظیم  
کتاب جس کے توسط سے حضرت علیؑ عالم انسانیت سے مخاطب ہیں۔ تاریخ فکر  
و ثقافت میں ایک منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ حقیقت کی تحریک ایک بڑا  
دشوار گزار راستہ ہے جس پر فکر انسانی کا ہر قدم نہایت احتیاط اور تدبیر کے ساتھ  
اٹھایا گیا ہے۔ اس تاریخ میں ”نتیجہ البلاغہ“ ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی  
ہے اور علیؑ تاریخ انسانی کی وہ منور الدبے مثل شخصیت ہیں جنہوں نے عقلیت

اور مذہب کے درمیان توافق اور ہم آہنگی کے امکانات کو روشن اور اجاگر کیا۔

حقیقت کی تحریک کی ابتدا چھٹی صدی قبل مسیح میں یونان سے ہوئی، یونان کی عقل فضا میں عقلیت اور دیوالا لٹھے کمائیوں کے درمیان تضادات ابھر کر سامنے آ سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کوئی بھی ہوش منہ انسان عقل کی صحت اور عظمت کو چیلنج کرنے کے کسی امکان کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن تیسری صدی مسیحی میں یہودیت کے علم بردار منکر تھے یہ محسوس کیا کہ یونانی فکر کے عقلیت پسندانہ رجحانات سے ان کے نظریات اور تصورات پر کاری ضرب پڑ رہی ہے۔ چنانچہ علماء کے اس گرد مٹنے جن میں فیلو کا نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ عقلیت کے خلاف علم بغاوت بند کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیا کہ عقل اس بات کی اہل نہیں ہے کہ اسے عقائد کے باب میں آخری حکم بنایا جاسکے۔

یہی وہ نقطہ ہے جس کے بعد عقلیت اور مذہب کے درمیان تضاد اور تصادم کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا جس نے نوبہ انسان کی تمام فکری اور تہذیبی تاریخ کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ انسانیت کی تمام فکری تاریخ اسی تضاد اور تصادم سے عبارت نظر آتی ہے، البتہ اس میں صرف ایک مشناو ہے اور یہ وہ تحریک ہے جس کا سرچشمہ قرآن مجید اور پھر نبی البلاغ ہے۔ اگر ہم عقلیت کی تاریخ کا معدنی مطالعہ کریں تو ہم اس حقیقت کا ادراک کر سکتے ہیں کہ فکر انسانی کی تاریخ میں عقلیت اور مذہب کے درمیان مکمل ہم آہنگی دریافت کرنے کا کارنامہ پہلی بار حضرت علیؑ نے انجام دیا اور یہ کارنامہ ساتویں صدی مسیحی میں انجام دیا گیا۔ یورپ میں نشاۃ ثانیہ

کی تحریک جو حقیقت کی علم بردار ہے، چودھویں صدی عیسوی میں اٹلی سے شروع ہوئی اور سترھویں صدی تک (یعنی ۳۰۰ سال میں) یہ تحریک مغربی یورپ کے تمام ممالک میں پھیل گئی۔ حضرت علیؑ کا دور مغرب میں نشاۃ ثانیہ کے دور ہے کم از کم سات سو سال قبل ہے مگر انشاۃ ثانیہ کی تحریک کے آٹھ سو سات سو سال قبل حضرت علیؑ نے انسانیت کو حقیقت اور مذہب میں ہم آہنگی کا شہرہ مستاک تاریخ فکر انسانی میں حقیقت کے چراغ روشن کر دیئے تھے۔

قرنِ دسویں کے دور میں جو پانچویں صدی عیسوی سے چودھویں صدی عیسوی تک پھیلا ہوا ہے عقیدے کی عقل پر برتری کو ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر تسلیم کیا جاتا رہا اور یہ سمجھا جاتا رہا کہ کسی معاشرے میں مذہب اور دانش یا حقیقت پسندی کے رجحانات ایک ساتھ پڑنی نہیں چڑھ سکتے اس لیے کہ ان دونوں رجحانات میں ایسا تضاد ہے جس کا نتیجہ تصادم کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ مغرب میں یہ تضاد اور تصادم پوری شدت اور سنگینی کے ساتھ نظر آتا ہے تاریخ کے ساتھ انصاف کا تقاضا ہے کہ یہاں اس امر کی نشاندہی کر دی جائے کہ بعض معاشروں نے حقیقت اور مذہب کے تضاد کو خوش اسلوبی سے حل کر کے خود کو تصادم کی حالت سے محفوظ کر لیا تھا، مثال کے طور پر ہندو مت، مذہب مت، تائادارم، اور شنتو ازم کے معاشروں کی نشاندہی کی جا سکتی ہے۔

بادجو دیکھ انسان نے اپنی تہذیبی اور ثقافتی تاریخ کا راز گرا مطالعہ کیا ہے اور اس تاریخ کے مختلف گوشوں مختلف فکر کی زادیوں اور عملی کاموں پر بہت زیادہ تحقیقی مطالعہ کیا ہے اور فکر انسانی کی ترقی کا سراغ لگانے کی ہر ممکن سعی کی گئی ہے مگر مقام حیرت ہے عقل انسانی کا معیار العقول کا نام



یع الباقہ علماء، مفکرین اور محققین کی توجہ اور مطالعے کا ہدف نہ قرار پاسکا  
اور اس کی طرف وہ توجہ نہ کی گئی جس کی یہ کتاب مستحق ہے۔

جمل و غفلت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ایک "وازیق" کے کونہ سے  
کی طرح ہر نئی اور پوری تاریخ کو منور کر گئی، یہ روشن در تاباک آواز ملی بن  
اپنی جانب کی تھی جن کا شمار ذویع انسانی کی چند عظیم ترین شخصیتوں میں کیا  
جاتا ہے۔ علیؑ نے ساتویں صدی ہجری کے طہر جاہلیت میں عرب کے ریگستان  
میں علم و معرفت کے دیا ہوائے اور یہ تاریخ ساز انقلاب آفرین نکلش کی  
کر عقیدہ، اند مذہب سمیت تمام معامات میں عقل آخری حکم ہے، مذہب تشیع  
اس نکلش کی رمدہ علامت ہے، تاریخ عقلیت کی مختلف تحریکوں کے  
مطالعے اور محاکمے کے بعد ہم اس بدیہی حقیقت کو معلوم کر سکتے ہیں کہ معتزلہ  
کی تحریک جس کا آغاز صدر اسلام میں ہوا، وہ وحدت کیسے ہے جس نے عقیدہ  
پر عقل کی برتری کو ایک مسئلہ اصول کے طور پر تسلیم کیا اور ہر معاملے میں کسی امتثال  
کے بغیر عقل کو حکم قرار دیا۔

معتزلہ تحریک کا مذہبی اختصار یہ ہے کہ وہ عقل کو آخری حکم قرار دیتی  
ہے۔ آخری حکم سے مطلب یہ کہ ہر قسم کے عقائد کی کوئی عقل اور صرف عقل  
ہے۔ یعنی یہ فیصلہ کہ کون سا عقیدہ صحیح اور کون سا فاسد ہے، صرف عقل  
کی تراز پر تولی جاسکتا ہے اور صرف عقل کی روشنی میں طے کیا جاسکتا ہے۔  
یونانی اور دیگر قدیم معشروں کے مفکرین نے کبھی عقل کی برتری سے انکار نہیں  
کیا، اس مذہب و مہایت کا سلسلہ اسکندریہ کے یہودی مفکر فیلسوف شروع  
ہوا جس نے علم کلام کی بنیاد ڈالی۔ بعد میں عیسائی علماء اور پھر مسلم مفکرین  
بھی اس فکر سے متاثر نظر آتے ہیں، قرآن حکیم نے عقلیت سے انحراف کی

نہی کر کے عقل کی مرکزیت کو بحال کیا ہے اور حضرت علیؑ نے اس نقطہ نظر کو اس وضاحت اور شدت سے پیش کیا کہ ان کی ذات حقیقت کی مختلف تحریکوں کے سرچشمے کی حیثیت رکھتی ہے، معززہ تحریک کو عام طور سے واصل بن عطاء سے منسوب کیا جاتا ہے مگر تیسری صدی ہجری کے معززہ مفکرین کی جو کتابیں اس صدی میں دستیاب ہوئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی فکری تحریک حضرت علیؑ سے جلی ہے۔ حضرت علیؑ، حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے جو اقوال معززہ مفکرین نے نقل کیے ہیں وہ اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس تحریک کا حقیقی سرچشمہ انہی ہستیوں کے اقوال و انکار ہیں۔

ہمارا سلسلہ گفتگو اس بحث کو مزید بڑھانے کا مقصد نہیں ہو سکتا اس لیے ہم اس بحث کو یہیں روک کر اپنے اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارا اصل موضوع یہ ہے کہ کبھی ابلاغی ایسے اقوال و افعال کا مجموعہ ہے جو حقیقت کی تحریکوں کے لیے سرچشمے کی حیثیت رکھتا ہے، حضرت علیؑ کے کلمات حقیقت کے رہنما اصول ہیں۔ غلطیوں کا قول ہے یہ میں اور میری جاؤں کا ہر جہر مجھ دلیل (عقل) ہے جائے گی یہ حضرت علیؑ نے دنیا کے راسخ دلوں اور بلی فکر کو اس اصول دیا کہ یہ سب دیکھو کہ کون کس راہ ہے یہ دیکھو کہ کیا کہہ رہا ہے۔ دونوں اقوال میں یک ہی اصول کو اجاگر کیا گیا ہے یعنی عقل کی برتری اور مرکزیت، ابلاغی ایسے متعدد اقوال ہیں جو عقل کی برتری پر دلالت کرتے ہیں اور فکر انسانی کی حقیقت کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں۔

ہر وہ شخص جس نے تاریخ انسانی کی فکری تحریکوں کے ارتقاء کا مطالعہ اور اس ارتقاء کے اسباب و محرکات پر غور و فکر کیا ہے اس بات کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسلام کی عین بڑی اداس تحریکوں۔ تبلیغ، اعتزال

اور تصوف کا فکری سرچشمہ حضرت علیؑ کی ذاتِ گرامی ہے۔ تصوف کا اپنا ایک مخصوص مسلک ہے مگر اس تحریک نے مسلم فکرمیں بڑے گہرے اور ہمہ گیر اثرات مرتب کیے ہیں، معتزلہ کی تحریکِ احمدیہ اسلام میں عقلیت اور نفسیاتِ انسانی کے فروغ کا اصل محرک کسی جا سکتی ہے اور خود تحریکِ اعتزال کا سرچشمہ مسلکِ تشیع ہے۔

جہاں تک تحریکِ تشیع کا تعلق ہے، ادیانِ عالم کی تاریخ میں اسے یہ خصوصی اہمیت حاصل ہے کہ اس تحریک نے عقل اور عقیدے کی دونوں شاخوں میں عقلیت اور مذہب کے درمیان وحدت اور ہم آہنگی قائم کی۔ تاریخِ ادیان سے عالم کا مطالعہ کرنے والے اس بات کو نہایت خوشگوار حیرت سے دیکھتے ہیں کہ وہ کتاب جو عقائدِ تشیع کے باب میں ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہے، اس کی ابتداء کتابِ عقل سے ہوتی ہے، میری مراد کتاب الکافی ہے، الکافی کا پہلا باب کتابِ عقل ہے، جس میں عقل کی اہمیت، فضیلت اور مرکزیت کے متعلق حدیثوں کی ایک بڑی تعداد نقل کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر امام جعفر صادقؑ کے حوالے سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ جبریلؑ حضرت آدمؑ کے پاس آئے اور اے آدمؑ کہ وہ تین نعمتوں، یعنی عقل، ایمان اور حیا میں سے کوئی ایک منتخب کر لیں، حضرت آدمؑ نے عقل کو منتخب کر لیا جو اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ تمام معاملات میں مرکزیت عقل کو حاصل ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بعض علماء نے الکافی کے مرتب علامہ کلینی پر یہ اعتراض کیا کہ انہوں نے اپنی کتاب میں پہلا باب عقل کے متعلق کیوں رکھا ہے۔ انہیں چاہیے تھا کہ پہلے وہ توحید، عدل اور نبوت جیسے موضوعات کو جگہ دیتے۔ الکلینی نے جو جواب دیا وہ نہایت واضح اور معنی خیز تھا۔ انہوں

نے فرمایا کہ توحید، عدل یا نبوت پر ایسے اعتقاد کا کیا فائدہ ہے جس کی بنیاد عقل پر قائم نہ ہو۔ اس جواب سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مکتب تشیع میں عقل کو وہ رہنما اصول تسلیم کیا جاتا ہے جو دینی معاملات میں ہدایت کے لیے ضروری ٹکڑا گزیر ہے۔ عقل کی مرکزیت اور اہمیت پر اس قدر شدید اصرار مکتب تشیع کے علاوہ اور کہیں مشکل ہی سے نظر آ سکے گا۔

اس موقع پر یہ اعتراض مناسب نہ ہو گا کہ چونکہ ہر شخص کی عقل کا پیمانہ دیگر شخص سے مختلف ہے اس لیے عقل کو کسی معاملہ میں حکم اخربنا نادرست نہیں ہے بات یہ ہے کہ اصل مسئلہ کسی فیصلے کی مطلق صحت یا عدم صحت کا نہیں ہے بلکہ مسئلہ طریق کار کا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کسی معاملے میں آپ کیا فیصلہ کرتے ہیں بلکہ اصل اور بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ آپ کس طرح فیصلہ کرتے ہیں کسی فیصلہ کو حل کرنے کے لیے آپ کیا طریق کار اختیار کرتے ہیں، عقلیت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہر مسئلے پر عقل کی روشنی میں فیصلہ کرے۔ فیصلہ کرنے کے لیے دلیل اور برہان سے کام لے، استدلال کا طریق کار اختیار کرے۔ اس بات کا امکان ہے کہ کسی مسئلے پر کوئی شخص غلط استدلال کر کے غلط نتیجے پر پہنچ جائے لیکن یہ بات کہ اس نے جو طریقہ کار اختیار کیا ہے وہ صحت پر مبنی ہے خود اس امر کی ضمانت ہے کہ اس کے لیے صحت نتائج پر پہنچنے کے قوی امکانات موجود ہیں، اور یا آخر اس کی عقل میں قدر تربیت یافتہ ہو جائے گی کہ وہ اکثر معاملات میں درست نتائج پر پہنچنے میں کامیاب ہو سکے گا۔

در حقیقت عقلیت اسی طریقہ کار سے عبارت ہے، مکتب تشیع اپنے مفسرین سے یہی تقاضا کرتا ہے کہ وہ ہر معاملہ کو عقل کی کسوٹی پر پرکھیں اور

کسی بھی نظریہ، عقیدہ یا اصول کو عقل کی بنیاد پر قبول یا مسترد کریں، اس مکتب  
 میں نقد کی بنیاد چار اصولوں پر رکھی گئی ہے یعنی قرآن، حدیث، اجماع اور عقل  
 ان چار اصولوں میں عقل کی مرکز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا  
 ہے کہ اگر کسی معاملے میں قرآن و حدیث کی تفسیر و تعبیر یا علماء کا اجماع عقل کے  
 فیصلے سے بروہ راست متضاد ہو تو اُسے مسترد کیا جاسکتا ہے۔ دنیا کے کسی دوسرے  
 مذہب ہی مکتب فکر میں اس طرح کی مثال ڈھونڈنا محض تفسیر اذات ہے۔ عقل کی  
 برتری اور مرکزیت مکتب تشیع کا اختصاص اور امتیاز ہے اور اس اعتبار سے اس  
 مکتب کو انسانیت کی نلکی اور تقاضی تاریخ میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔  
 اسی طرح مکتب تشیع کو تاریخ مذاہب میں ایک اور انقلابی ترقی پیش  
 کرنے کا امتیاز بھی حاصل ہے۔ یہ انقلابی تصور اجتہاد کا وہ اصول ہے جو مذہب  
 اور ملت ہونے کی تاریخی اور عمرانی تقاضوں میں تطبیق اور ہم آہنگی پیدا کرنے  
 کا موقع فراہم کرتا ہے۔ مسلمانوں کے دیگر فقہی مکاتب میں کسی حد تک اجتہاد  
 کا تصور پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ مذہب میں اجتہاد کے  
 اصول کو متعارف کرنے کا سہرا حقیقت کی اسی تحریک کے سر ہے جس کا سرچشمہ  
 پیغمبر کے اہل بیت ہیں، اصول اجتہاد کی روشنی اسی گھر سے طلوع ہوا اور  
 پھر یہ اصول اسلام کے مختلف فقہی مکاتب میں کسی نہ کسی حد تک سرایت  
 کر گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم معاشرے نے حقیقت اور استدلال کا درس انبیت  
 پیغمبر سے یا مسلم معاشرے میں اس انداز نظر کا فروغ معتزہ تحریک کے ذریعہ  
 ہوا، اشعرہ کی تحریک، تحریک اعتزال ہی کی شاخ ہے اقیاس و مضامین مسئلہ  
 اندامی طرح کے دیگر اصول جو بدلتے ہوئے معاشرتی تقاضوں کا جواب دینے  
 کے لیے وضع کیے گئے ان سب کا سرچشمہ یہی اجتہاد کا اصول ہے، لیکن جو

انسانیت کی فکر اور ثقافتی تاریخ کے تناظر میں منج البلاغہ کی عظمت اور اہمیت اور اس کے مقام و مرتبہ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ تاریخ کا مطالعہ ہمیں اس حقیقت سے متعارف کراتا ہے کہ تہذیب و تمدن کے مغرب میں مذہب اور سائنس کا تصادم اس قدر شدید اور سنگین صورت اختیار کر گیا تھا کہ کلیسا کے نمائندوں کے یہ عقیدت ایک قابل نفرت شے بن گئی تھی۔ عقیدت کی طرف یہ رجحان کم و بیش بارہ صدیوں کے طویل عرصہ پر پیدا ہوا ہے آج بھی مغرب میں عیسائیت اور یہودیت کے مذہبی قائدین اور مشرق میں مکتب اشاعرہ کے نمائندے عقیدت کو سچا منورہ قرار دیتے ہیں، اور کسی شخص کی طرف سے عقل عقیدت کا ذکر نہ کریں اس قدر مستحسن کہتا ہے کہ وہ ایسے شخص کو مردود اور قابلِ گردن زنی قرار دیتے براۓ دادہ نظر آتے ہیں۔

مغرب کی فکر جدید کو عقیدت کا علم بردار سمجھا جاتا ہے، یہ بات ٹھیک ہے مگر آج کا مغرب کلیسا کی عقائد کے مقابلے میں سائنسی حقائق کو ترجیح دیتا ہے اور یوں بارہ صدیوں کے علی الرغم عقیدت کا علم بردار ہے لیکن یہ بات بھی اچھی جگہ درست ہے کہ سائنسی علوم کی بنیاد تجربہ و مشاہدہ پر رکھی گئی ہے۔ اس لحاظ سے مغرب کی جدید فکر کی تحریکیں اپنے بوجہ میں عقل سے زیادہ تجربہ ہیں۔ یہ تو آج کے مغرب کی صورت حال ہے، جہاں تک مشرق کا تعلق ہے، مشرق کے بیشتر مذاہب (اسلام کے علاوہ) عقل اور عقیدہ کی بحث میں غیر جانبدار نظر آتے ہیں۔

صوفیہ حال کا منظر حسین مطالعہ کرنے سے ہم میں نتیجے پر پہنچتے ہیں مگر شریعہ چار صدیوں کے دوران مغربی دنیا میں عقیدت کی جگہ تجربیت نے سنبھال لی ہے اور اس اعتبار سے عقل کی مرکزیت اور اہمیت کو برہدست نقصان پہنچا ہے۔ اس تناظر میں یہ کہنا درست ہو گا کہ جدید عقیدت کا انہیں تجربیت کا علم ہے، لیکن یہاں اس بحث کو چھیڑنا بدوٹا کے صندوق کو کھولنے کے مترادف ہو گا اس لیے چھوڑ دو اور

دقیق مشے پر میں نے اپنی آخری کتاب (زیر طبع) کائنات ایک نیا تصور میں تفصیل سے مدنی کر دی ہے۔

اس موقع پر میں اہم حقیقت کی نشاندہی کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ فکر انسانی کی تمام تاریخ میں یونانیوں کے عظیم فکری عہد کو چھوڑ کر جب عقل کو مرکزیت اور برتری حاصل ہوئی، مگر انسانی تعریف حقیقت کی حرمت اور عظمت کا دفاع کرتی ہے، اس کی مرکزیت کو جاکر کرتا ہے اور اسے تمام معلومات میں (دینی و دنیوی) حکم ۲ حرمان سے پرہیز کرتی ہے تو وہ بیخ بلاغہ ہے۔ تاریخ انسانی کی عظیم مذہبی کتب میں قدیم مصر کی کتاب، موات، ایران کی زندا، ہندوستان کی عظیم وید اور پانچویں جگوت گیتا، انجیل مقدس اور قرآن حکیم شامل ہیں۔ ان میں قرآن حکیم اور اس کے بعد بیخ بلاغہ وہ دو کتابیں ہیں جنہوں نے عقل کی حرمت کا اثبات کر کے پاس کر دیا۔ مذہب کی ضد قرار دینے کی بجائے مذہب کے بنیادی اصول کے طور پر پیش کیا ہے۔ قرآن حکیم نے انسانیت کو یہ مشورہ دیا کہ ”وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا خَيْرًا“ یعنی ”جس حکمت عقل کی گئی گویا اُسے خیر کثیر سے نوازا گیا“ مقصد یہ کہ جو ہر انسانیت حکمت ہے اور جسے حکمت کی دولت عقل کی جاتی ہے اُسے اللہ تعالیٰ خیر کثیر سے سرفراز فرماتا ہے اور بیخ بلاغہ واحد کتاب ہے جس کا پیش کردہ تصور الہیت اپنے جوہر میں اپنے مزاں اور طریق پیشکش میں نہایت یکساں ہے۔

جدید دیک انسانیت کی ایک زبردست چیلنج کا سامنا ہے، وقت کے آنے پر ایک سو برس صدی کے سلسلے نہایت تیزی سے ابھرتے جا رہے ہیں ایک سو برس صدی کے جوہر میں ایک طرف انسانی ترقی کے بے پناہ امکانات ہیں تو دوسری طرف یہی انسانیت کے ہولناک خطرات بھی ہیں۔ اس زبردست چیلنج کا مقابلہ صرف ایک ایسے دین کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے جس کی بنیاد حقیقت پر ہو، انسانیت کی نجات اور علاج کا راستہ

وسیع انتظری اور مخالفانہ نقطہ نظر کو برداشت کرنے کی تعلیم مکتب اہل بیتؑ کا خاصہ ہے۔ اس کی مثال دینا کے کسی اور مذہب میں نہیں مل سکتی

اس ضمنی میں ایک واقعے کا ذکر بھی سے خالی نہ ہوگا، واقعہ یہ ہے کہ ایک نوجوان، امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے ابنِ رادنی نامی ایک شخص کو جس نے قرآن مجید کے خلاف ایک کتاب لکھی تھی، قتل کرنے کی اجازت طلب کی۔ امام جعفر صادقؑ نے اس سے سوال کیا تم ابنِ رادنی کو کیوں قتل کرنا چاہتے ہو؟ نوجوان نے جواب دیا کیونکہ وہ قرآن مجید کے خلاف ایک کتاب لکھ کر اس کتاب مقدس کی توہین کرنے کا مرتکب ہوا ہے، نوجوان کا یہ جواب سن کر امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ اگر ابنِ رادنی نے قرآن کے خلاف ایک کتاب لکھ کر اس مقدس پیچھے ہر اعتراف کیے ہیں تو اس کا واحد جواب یہ ہے کہ تم اس کتاب کے جواب میں ایک کتاب لکھ کر اس کے اعتراضات کو مسترد کر دو پھر امامؑ نے تنبیہی انداز سے فرمایا کہ اس سے ابنِ رادنی کے قتل کا حواز کس طرح قائم ہو سکتا ہے یعنی بعض اختلاف رائے کے طیار پر کسی شخص کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ عقلیت کا تقاضا ہے کہ مخالف کی دلیل کا جواب دلیل سے دیا جائے نہ کہ اسے تشدد کا نشانہ بنایا جائے۔

پھر غرض ایک یہ ہے اس طرح کے بہت سے واقعات اہل بیت کی تعلیمات میں پائے جاتے ہیں لیکن ایسی کسی واقعہ کی کوئی ایک مثال بھی کسی دوسرے مذہبی نکتہ منہج میں تلاش نہیں کی جاسکتی۔

مسلم تاریخ میں حقیقت کے احیاء اور فردخ کا مدد عباسی حلیف الماحول کا دور ما جاتا ہے لیکن اگر تاریخ کا یہ نظر فائر مٹا دیا جائے تو اس حقیقت کا سراغ لگایا جاسکتا ہے کہ تحریک عقلیت کے احیاء اور دانش و حکمت کے فردخ



کا اصل سرچشمہ سلسلہ اہل بیت کے ائمہ کرام حضرت علی ابن موسیٰ الرضا کی شخصیت تھی، حضرت امام علی رضا کے زیر اثر مسلمانوں میں حقیقت کو جو فروغ اللہ ارتقا حاصل ہوا اُس نے نوچ نانی کی فکر کی اور تہذیبی تاریخ پر بڑے گہرے اور فادرس اوقات مرتب کیے، مسلمانوں میں عقلیت کا فروغ اور ارتقاء مغرب کی مثالاً تا یہ کی تحریک کا جس کا آغاز ہم ایں صدی عیسوی میں، علی میں ہوا، پیش خیر تھا۔ اس اعتبار سے امام علی رضا کی شخصیت جو عباسی خلیفہ مامون کے عہد میں مسلمانوں کے عقلیت کے فروغ کا سبب بنی۔ درحقیقت فکر نانی کی تاریخ میں عقلیت کی تمام تحریکوں کے محرک کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے کہ مغرب کی مثالاً تا یہ کی تحریک دراصل مسلمانوں کی عقلیت کی تحریک کا نتیجہ تھی، اسی کی بارگشت کی حیثیت رکھتی ہے، فکر نانی کے ارتقاء کی تاریخ لکھنے والوں نے بن شخصیتوں کی مثالاً تا یہی سے افعال کو کے حصوں نے سائیت کے فکری اور ثقافتی دھاروں کو مثبت سمت میں آگے بڑھنے میں محرک کا کردار ادا کیا ہے، انصاف اللہ دیانت کے تقاضوں کو پورا نہیں کی۔

تاریخ فکر نانی کے اس وسیع دائرہ گیر تناظر میں ہم سچ بطلان کی اہمیت کا ادراک بہتر طور پر کر سکتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کی فکری اور تہذیبی تاریخ میں سچ بطلان کا وہ دار کتاب ہے جسے ہی طور پر عقلیت کی تحریکوں کا سرچشمہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ بات بلا غرض تردید کی جاسکتی ہے کہ سچ بطلان کے مفقود نے تصور لامیت کے سبب میں جس بلند سطح پر گفتگو کی ہے یہ فکر نانی کی وہ بلند ترین مکانی سطح ہے جس تک رسائی کسی درجن کے لیے ممکن نہیں ہو سکتی، حقیقت پر مبنی سچ بطلان کا تصور لامیت سچ سے جوہر سراسر قبضہ پیش کیے جانے کے باوجود حیرت انگیز حد تک جدید فکر نگار

اور نہایت جامع اور ترقی یافتہ ہے، ہر چند تصور الوہیت کے بارے میں مفکرین نے عموماً توحید کا اثبات اور شرک کی نفی کی ہے لیکن بیچ ابلاغہ کے مصنف کا اختتام یہ ہے کہ انھوں نے تصور توحید کو اس بلند ترین، مکانی سطح تک پہنچا دیا ہے کہ تاریخ فکر انسانی میں اس کی کوئی مثال نہ اس سے قبل ملتی ہے اور نہ اس کے بعد تلاش کی جاسکتی ہے۔

توحید کے اثبات سے کیا مراد ہے؟ اس موضوع پر بیچ ابلاغہ کی فکر بالکل منفرد اور انوکھی ہے۔ حضرت امام علیؑ نے مسئلہ توحید پر فکر کے نئے نئے روشنی کیے ہیں لیکن حیرت اور افسوس اس بات پر ہے کہ مسلم علماء اور متکلمین نے فکر کی اس بلند درجے مثال سطح کی تفہیم اور تشریح کے لیے کوئی سعی نہیں کی۔ درحالیکہ سلسلہ الہیت کے دیگر اثر پر بر حضرت امام علیؑ کی پیش کردہ فکر کی بلندوں اور باریکیوں کی نشاندہی اور وضاحت کر کے لوگوں کو دعوت بہ فکر دیتے رہے، افسوسناک بات یہ ہے کہ شاعرہ متکلمین نے اس باب میں بالکل مختلف اندازہ نظر اختیار کیا۔ نتیجتاً توحید کا مسئلہ جسے نہایت بلند فکری اور عقلی سطح پر سوچا جانا چاہیے تھا، ذیلی اور حرومی بحثوں کا موضوع بن کر رہ گیا ہے۔

بیچ ابلاغہ کا تصور الوہیت انسانی فکر کا شاہکار ہے، نہ درت دھولے فکر کا نمونہ ہے، حیرت انگیز حد تک جدید اور انقلابی ہے اور قرآن حکیم کے پیش کردہ تصور الوہیت کی علمی اور فلسفیانہ تفہیم و تشریح کلبے مثال اور پاکیزہ نمونہ ہے، بیچ ابلاغہ کے مصنف نے اس موضوع پر عام فکری سطح سے بہت بلند ہرگز گنگو کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ لا التوحید الا لا توحیدہ، گویا توحید یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدت کے اثبات کا تقاضا ہے کہ اُسے تصور اور واقعے کی حد سے مادہ، تسلیم

کیا جائے اس لیے کہ جس چیز کا تصور کیا جاسکتا ہے وہ محدود ہو جاتی ہے اور جو  
 چیز محدود ہو وہ خدا نہیں ہو سکتی (خدا ہر شے کا خالق ہے اور ہر شے اُس کی مخلوق  
 ہے جو مخلوق ہے وہ محدود ہے۔ خالق کی مشاں یہ ہے کہ شے محدود نہیں کیا  
 جاسکتا وہ لامحدود ہے اُسے تصور میں لانے کا مطلب اُسے محدود کرنا ہے بلکہ  
 دیگر خالق کو مخلوق کی سطح تک پست کرنا ہے اس لیے توحید کا تقاضا اس امر  
 کا اعتراف ہے کہ اللہ کی وحدانیت تو ہم و تصور کی حد سے بالا ہے اور یہ نیاز  
 ہے۔

تصور انہی بات کے متعلق بیخ ابلاغ میں جو فکری مباحث چھیڑے گئے ہیں ان  
 میں ایک دلچسپ بحث اشیاء کے تضاد سے متعلق ہے، اس بحث میں ایک حیرت  
 انگیز بات یہ کہی گئی ہے کہ خدا ہے جو دو متضاد اشیاء میں مقارنت پیدا کر  
 سکتا ہے جیسا کہ اسی اشیاء جن کا یکجا ہونا ممکن نہیں ہے، نہیں یکجا کر دینے پر قادر  
 ہے۔ اس مدئی میں اب آپ جدید سائنس کے اس انکشاف پر غور فرمائیے کہ جو ہر  
 کے مرکز میں دو مثبت برقیے پروٹون اور نیوٹرون ایک ساتھ جمع ہیں جبکہ طبیعیات  
 کا یہ واضح اصول ہے کہ ایک جیسے ذرات ایک دوسرے کو دفع کرتے ہیں مگر  
 جو ہر کے مرکز میں طبیعیات کے اس واضح اصول کے خلاف پروٹون اور نیوٹرون  
 کاربجھا ہوتا ایک ایسا ذرہ ہے جس نے ماہرین سائنس کو حیرت زدہ کر رکھا ہے،  
 کیا یہ بات ہمارے خود دلچسپ اور حیرت انگیز نہیں ہے کہ ایک ایسا مسئلہ جس نے  
 بیسویں صدی کے سائنسی ماہرین کو پریشان کر رکھا ہے کس طرح آج سے چودہ  
 سو سال قبل گفتگو کا موضوع بنایا جاسکا کیا اسے بیخ ابلاغ کی قدرت دھونڈنے  
 فکر کی ایک دلیل نہیں کہا جاسکتا؟

بیخ ابلاغ کے فکری مواد پر اپنی گفتگو کو یہیں ختم کرتے ہوئے اب ہم

یہ ہے کہ ہم بیچ الیافہ کے حکیمانہ پیغام کی گہرائیوں کو سمجھنے کی کوشش کریں اس لیے کہ  
یہ عقلیت اور روحانیت کا وہ حسین اور متوازن امتزاج ہے جو اعلیٰ ترین ثقافت  
اور انسانی اقدار اور انسانی وحدت، عظمت اور اخوت کا علم بردار ہے۔  
(مترجمین میں حالی، یحییٰ ابوالکرار، کادرس، سید محمد صالحی، مقالہ:۔)

(تقریباً)

۱۲۰۰۰ ہزار

اقوال امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام

پر مشتمل سادہ و سلیس کتاب

عُرُرُ الْحِكْمِ وَدُرَرُ الْكَلِمِ

کی پہلی جلد

آصف قزلباشی صاحب اور اشعار کے ساتھ

”حِکْمَتُ بُوْثْرَابِ“

کے نام سے

ترجمہ کردہ کہ انشاء اللہ بہت جلد رابعی کے آئندہ دور میں

جنیور ورنر شیڈلر خان یونیورسٹی

ادارہ فیروز غلام معصوم

۱۹۸۵ء - مسٹر یحییٰ حالی کراچی ۲۰

مِنْ شَوَارِئِ الْإِسْلَامِ عَلٰی

مقدمہ

زیر ترتیب ہے

علی دہلوی

جناب ڈاکٹر علی شریعتی

## علیٰ اور تنہا

صرف علیؑ کا کمال ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے پوری عمر میں جتنی باتیں کیں۔ جتنے کلمات ارشاد فرمائے ان سب میں سب سے زیادہ اثر انگیز و بھارت و ملیق اور اثر بخش جملہ ہے۔ وہ ہے۔ ۲۵ سال کی خاموشی

یہ جملہ دنیا کے تمام انسانوں کو مخاطب کر رہا ہے، اللہ ان انسانوں کو جن میں انسانیت ہے بر ملائے کائنات کو پہچانتے ہیں۔ ۲۵ سال کی خاموشی کوئی معمولی چیز نہیں وہ بھی سختیوں اور مصیبتوں کے ساتھ، پھر کسی گزشتہ نشان اور تنہا پسند شخص کی خاموشی نہیں۔ بلکہ ایک فعال اور زبردست شخص کی خاموشی۔ ان کی یہ خاموشی خود ایک بڑا سہرا جملہ ہے۔ بلکہ ایک کتاب ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کبھی غفورا سے بڑا ہے، اور کبھی سکوت کے ذریعے۔ کبھی کامیابیوں کے ذریعے اور کبھی ظلم سہ کے ان کا مخاطب ہم ہے۔ اور ہماری ذمہ داری بھی ہم کو معلوم ہے کہ ہم اس سبق کو یاد رکھیں۔ ان مانوں پر غور کریں اور ان خاموشیوں کو سمجھیں۔

ایک اور بات جس کا میں یہاں ذکر کر دوں کہ ایک امام ہماری یہ

ہے، کوئی مذہب یا کسی کی قیادت کو امت کا شکار ہو جائے گی جیسا کہ اکثر مذاہب شکار ہو گئے۔ کیوں.....! اس کو میں اس طرح واضح کروں کہ آئیں سٹائن کی تصوری حواشیات کا شکار نہ ہو سکی کیونکہ اس کا موضوع ایسا ہے کہ فقط ایک خاص طبع طبقہ وہ بھی صرف سواحی اور فرانس کے ماہرین ہی کا اس سے تعلق ہے۔ اور چونکہ وہ آئیں سٹائن کی زبان کو بگڑی سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ اسے منسوخ نہیں کر سکتے یا اس میں تحریف و تبدیلی نہیں کر سکتے۔ یعنی جن تصویروں اور فلسفوں کا تعلق ایک خاص طبقہ سے ہے اور وہ طبقہ بھی اس چیز میں بہارت کا اہل رکھتا ہو تو وہ تصوری اور فلسفہ فائوے میں رہتا ہے اور غلط رہتا ہے۔ لیکن جو چیزیں کسی طبقہ میں گھری نہیں جاتی، کیونکہ اتفاقاً وہ اس دور سے انسانی گردہ سے ہے، وہاں یہ بیماری جسکا ذکر میں نے کیا اکثر آجاتی ہے اور اس بیماری کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ اس دین کی کسی اہم حقیقت کو غلط طریقہ سے سمجھا جائے یا پیش کیا جائے۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے کہ جو کسی بھی حقیقت کو نیت و تابوہ کر سکتی ہے کیونکہ وہ اس کو اپنی سمجھ کے مطابق (وہ بھی بہت بہت فکر کے ساتھ) اس کو اپنے ذہن میں لاتے ہیں اور پھر اپنی عادت اپنے سلیقے اور اپنی شخصیت و نیت کے اعتبار سے اسی رنگ میں لاکر اس حقیقت کو اپنے اصل رنگ سے بہت دور کر دیتے ہیں۔

میں مثال کے طور پر ایک چیز عرض کرتا ہوں کہ آپ دیکھ لیں کہ حقائق کس طرح حواشیات کا شکار ہوتے ہیں مثلاً اس مذہب کی جراثیم اور مقدس شخصیات میں ان کی معرفت ہم ایک انسان کی اپنی

احلیت و واقیعت کو پورے طور سے نہیں روک کر پاتے مثلاً ہم  
مولائے کائنات کے بارے میں یہ نہیں جانتے۔ کہ کیوں وہ اہم ہیں؟  
بس یہ جانتے ہیں کہ وہ بہت اہم ہیں۔ ہم کو معلوم ہے کہ عظیم میں ہماری  
ان سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ ہم خاکستہ عالم پاک۔

اس لئے ہم ان کی نسبت میں سرشار ہیں ان کی الفت میں ڈوبے  
ہوئے ہیں۔ لیکن وہ کیوں اہمیت رکھتے ہیں؟ ان کی شخصیت  
بھل انہی بلند و بالا ہے؟ ... ہم اس سے نا آشنا ہیں۔ وہ معیار  
وہ کھولا جو مولائے کائنات نے ہیں وہی حق جو معیار اسلام نے  
عطا کیا تھا۔ اس کو کام میں نہیں لاتے کیوں؟

اکیس لئے کہ ہمیں اس اسلامی معیار یا مولائے کائنات کے  
بتائے ہوئے راستے کا پتہ ہی نہیں۔

ہم صرف پرانی عادت اور روایت میں ملی ہوئی احلیت جو نسل در  
نسل ہم تک چلی آرہی ہے۔ اس کے ذریعے مولائے کائنات کو  
پہچانتے ہیں۔ ان کے تمام فضائل و کمالات کو ہم صرف معجزات و  
کرامات پر منحصر کر دیتے ہیں۔ غفلان کے معجزات و کرامات کی جستجو  
میں ایسا یا اس پر سر دھتے ہیں۔ مثلاً جب آپ گہوارے میں  
تھے تو ایک اڑدھا کیا تھا۔ آپ نے ننھے ننھے ہاتھ گہوارے  
میں سے نکالے اور اڑدھے کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اس لئے مولائے  
کائنات بہت عظیم ہیں۔ ہمیں اس روایت سے مسدود کار نہیں ہیں  
یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب وہ امام ہیں معنی اگر ان کی پیروی کی  
جائے تو ہم بھات پاجائیں گے۔ وہ ہمارے رہنما ہیں ہمارے

رہبر ہیں یعنی ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے تاکہ ہم ایک اچھا سماج، ایک آزاد معاشرہ اور ایک کامیاب تہذیب سے ہمکنار ہو سکیں لیکن ہم اس بچے کی پیروی کس طرح کریں جس نے گہوارے میں اڑھائی کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی سماج و معاشرہ اس شخص کی تقلید کرے جو غیر العقول کام انجام دیتا ہے، اگرچہ کیسے انجام دے اور پھر وہ ترقی بھی کر جائے یہ کیسے ممکن ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا۔

یہ صحیح ہے کہ ہوائی کائنات نے اس طرح کے معجزات بھی دکھائے لیکن ہم اس کی تعریف کر کے کس طرح پیروی کریں اور کس طرح آگے بڑھ سکیں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم ایسا کیوں کرتے ہیں؟ صرف اس لئے کہ ہزاروں سال سے مذہبی فلکویہ یہ تھا کہ دنیائے خاکی جس میں ہم رہتے ہیں، ہست ہے، منکول ہے اور سب سے کمتر ہے۔ اس کے اوپر بھی چند افلاک ہیں جو زمین سے زیادہ اہمیت والے ہیں اور افلاک جیسے جیسے اوپر واقع ہوتے ہیں۔ اسی حساب سے ان کے درجات بلند ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس ملک کی باری آتی ہے جو فرشتوں کا مکن ہے جو زمین سے بہت زیادہ بلند درجہ رکھتا ہے اور انسان سے کہیں زیادہ مرتبے والا ہے۔ پھر فرشتوں کے آسمان سے اوپر وہ فلک ہے جو خداؤں کا مکن ہے۔ یہ وہ تعلیم ہے جو ہزاروں سال سے مختلف مذاہب دے رہے تھے اور ہم اس کے قائل تھے۔



اس نظریہ کے مطابق انسان سب سے زیادہ پست ہے۔ اس کے بعد فرشتوں کا نمبر ہے اور پھر خدا یا خداؤں کی منزل ہے۔ یہ طرز فکر اور یہ نظریہ سبب اسلام میں داخل ہوتا ہے تو ہم اسلام کو اوروں کے کائنات کو بلکہ تمام باطنی مذاہب کو اسی نیز اسلامی نظریے کے تحت دیکھتے ہیں اور پھر ان کی عظمت کے قائل ہوتے ہیں اور ان کی تعریف و کرمیت میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اس سے کوئی فرقہ ہمیں نہیں ملتا۔

میرے اساتذہ میں جناب گورو جی بوشہد ماہر سماجیات ہیں، کہتے ہیں کہ سال علم اجتماع میں STRUCTURALISM کے نظریے کی سخت مخالفت اور جم کو مقابل کیا اور اس کے بعد جب میں نے لاروس کی ایک کتاب پڑھی جس میں میری زندگی اور کارناموں سے بحث کی گئی تھی تو اس میں وہ رقم طراز تھا کہ جناب گورو جی دنیا کے ماہر سماجیات ہیں اور وہ STRUCTURALISM کے نظریے کے بانیوں میں تھے۔ یہ ہے ہمارا ۷۰ سالہ محنت کا صلہ۔ اب اس بات کو لیکن

کہ بعد وہ بچا ہے جتنی تعریف کرے۔ چاہے جتنا ان کو عظیم بتائے جس قدر بھی انہیں ماہر سماجیات بتائے جس قدر بھی ان کی خدمات کا اعتراف کرے، کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ان کے اصل نظریے کو ختم کر دیا۔ اسلام میں خلقت انسان کے بارے میں مذاہب کہ خداوند عالم نے بہت واضح طور پر اپنی امانت کو زمین، پہاڑ، فرشتوں حتیٰ کہ مقرب فرشتوں کے سامنے پیش کیا لیکن کوئی اس امانت کے بوجھ کو اٹھانے پر

تیار نہ ہوا۔ صرف انسان تقاضا کرے گا اور وہ اس عظیم منصب کو لینے پر تیار ہو گیا۔

تو پھر خداوندِ عالم نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ سب اس عظیم غفران کو سجدہ کریں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان فرشتوں کا مسجود رہ چکا ہے۔ بلند درجہ رکھتا ہے۔ آدمیت، بشریت اور انسانیت فرشتوں سے اعلیٰ و اشرف ہے۔

اس لئے اگر ہم اسلام کی روشنی میں غور کریں اور مولائے کائنات کو اس مخلوق کے تحت دیکھیں کہ ایک مسلمان، ایک پیرو اپنے امام کے لئے کیا کہتا ہے اور اس کی نظر منظر سے مولائے کائنات کے بارے میں کچھ کہا گیا تو ہمیں فضائل تلاش کرنا ہوں گے جو ایک انسان میں ہونے چاہتیں اور انسان جو مسجود ملائکہ ہے۔ وہ انسان جو مقرب فرشتوں سے بھی ہوتا ہے۔ مگر افسوس..... ہم میں یہ ادراک نہیں ہے۔ ہرگز فکر ایسی ملک ہمارے ذہنوں میں جگہ نہ پاسکا۔ اسی وجہ سے جب

ہم اپنے آئمہ اور انبیاء کی تعریف و توصیف کرتے ہیں تو ان کو فرشتہ صفت کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اس طرح ہم نے امام کو فرشتوں کی منزل پر پہنچا دیا

اور ان کو ہم انسانیت کی منزل سے بہت اوپر لے آئے۔ درآں حالیکہ حقیقت میں فرشتوں کے برابر لا کر ہم نے انکی منزلت کو کم کیا ہے۔

اور تمام وہ صفات جو فرشتوں کے لئے ہیں۔ اگر ہم ان کی نسبت نے آئمہ کی طرف دیں اور ان کو مقرب فرشتوں کی منزل پر لا کر رکھیں

تو قرآن کی روشنی میں ہم نے ان کے مرتبے کو آدمیت اور انسانیت سے کم کر دیا ہے۔ پیغمبر اسلام کی یہ فضیلت نہیں ہے کہ ان کا سایہ نہ تھا کیونکہ روح کا سایہ نہیں ہوتا، فرشتوں کا سایہ نہیں ہوتا۔ بہت سی غلوں کا ہیں جن کا سایہ نہیں ہے تو یہ پیغمبر کی فضیلت نہیں ہوئی اور اسی طرح اس قسم کی باتیں مولائے کائنات میں ہوں تو علیؑ کی تعریف فرشتوں کے برابر ہو جائے گی جبکہ مولائے کائنات کی منزل فرشتوں سے بہت بلند ہے۔ وہ تو سجود ملائکہ ہیں۔

اس لئے ہمارے لئے مزور کا ہے کہ ہم ان میں انسانیت کے کمال کو تلاش کریں نہ کہ فرشتوں کی صفات کو لیکن اس بات کا ہمارا طرز فکر غیر اسلامی ہے بلکہ طرز فکر اسلام سے پہلے کا ہے۔ اس کے تحت ہم علیؑ کو دیکھتے ہیں اور پھر علیؑ اور اپنے دوسرے بہروں کو فرشتہ ثابت کرتے ہیں جس کا یہ پیری سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ فرشتوں کی پیروی نہیں ہو سکتی اور فرشتہ انسانی معاشرے کو نجات دے سکتا ہے صرف عظیم انسان کا کمال ہے کہ وہ انسانیت کو نجات بخش سکتا ہے۔ وہ عظیم انسان کوئی اور نہیں علیؑ ہے علیؑ ہے علیؑ۔

لیکن مولائے کائنات کے انسانی کمالات کیا ہیں۔ وہ مسدّد حسن کے بارے میں شایب تک سوچا ہی نہیں گیا جب کہ یہ سب سے ضروری تھی وہ موجودہ کائنات کی نہالی، یوں تو ہر انسان ایک تنہا غلو ہے۔ تمام قصوں، کہانیوں میں تمام پرانی افسانوی داستانوں میں تمام مذاہب میں انسانیت کی پوری تاریخ میں مختلف طریقوں سے مختلف زبانوں میں یہ کہا

گیا ہے کہ انسان کی سب سے بڑی مصیبت اس کی تنہائی ہے .... یہ تنہائی کیوں ؟

”اے ایک فردم“ کا کہنا ہے کہ تنہائی عشق، بیگانگی کی پیداوار ہے۔ بالکل صحیح بات ہے کیونکہ جو شخص اپنے معبود، اپنے عشق کے عشق میں مبتلا ہے۔ وہ دوسری تمام چیزوں سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسے اب کسی اور کی آمد نہیں۔ جب نہ ہر تو تنہا رہ جاتا ہے۔ جو شخص لگاؤ سے اور تمام چیزوں سے بیگانہ ہے، کسی سے محبت نہیں ہے، کسی سے مطابقت نہیں ہے تو وہ تنہا رہ جاتا ہے۔ اسے تنہائی کا احساس ہوتا ہے۔

انسان جیسے جیسے ”انسان“ ہونے لگتا ہے۔ اسے اپنی تنہائی کا زیادہ احساس ہونے لگتا ہے۔ عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ لوگ گھر سے پرتے ہیں یا جو انسانیت کے مٹاؤں سے ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں کی ہوس و لذت کو دیکھ کر رنجیدہ ہوتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں یا وہ لوگ جو رشتہ رشتہ انسانی مندیوں کی طرف قدم بڑھاتے ہیں وہ رشتہ رشتہ معاشرے سے دور ہوتے رہتے ہیں اور اکیلے رہ جاتے ہیں دنیا کی اہم علمی شخصیات اگر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کی سب سے بڑی غمو مصیبت یہ تھی کہ وہ اپنے وقت اور زمانہ میں تنہا تھے یا خود اپنے دور میں غیر معروف تھے، احمق تھے، غلط اپنے وطن میں بیگانہ تھے اور ان کو ..... ان کی باتوں کو .... ان کی تحقیقات کو .... اور ان کے طرز فکر اور سطح فکر کو فن کو ان کے بعد والوں نے زیادہ بہتر سمجھا۔

ہر فلسفہ اور فلسفہ فکر میں انسان تنہا نظر آتا ہے۔ انہیں تنہائی  
 کی مصیبت کو برداشت کرتا نظر آتا ہے اور جیسے جیسے انسان اپنی انسانیت  
 کی منزل کھٹے کرتا چلا جاتا ہے۔ اپنے گرد و پیش سے اجنبی ہوتا جاتا ہے  
 زندگی کے ہنگاموں سے الگ ہوتا جاتا ہے اور تنہا ہوتا چلا جاتا ہے  
 جن وجوہوں سے انسان معاشرہ سے کٹ جاتا ہے۔ ان میں سے  
 ایک وجہ یہ ہے کہ وہ ان چیزوں سے بیگانہ ہو جاتا ہے جس کی طرف  
 عام طور پر رغبت ہوتی ہے۔ اس کی وہ پیاس جو دوسروں کو یکجہتم  
 سے سیراب ہوتا دیکھتی ہے لیکن خود ادھر تک نہیں ہوتی۔ اس کی محسوس  
 لوگوں کو ایک دسترفران پر تازی سے کھانا بھرا دیکھتی ہے لیکن خود ادا صراط  
 نہیں ہوتی جیسے جیسے روح لہلیہ کی طرف بڑھتی ہے۔ اور عطلوں کو  
 محسوس کرتی جاتی ہے ابہاں تک کہ وہ عظمت جس کو قرآن فقہ آدم  
 کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہ بالکل تنہا برہمچی ہوتی۔  
 دنیا میں کون تنہا نہیں؟ .... وہ شخص تنہا نہیں ہے جو سب  
 کے ساتھ ہے یعنی سب کی سطح فکر میں صاف ہے۔ سب کے انداز فکر  
 سے سوچتا ہے اور سب کے انداز سے دیکھتا ہے۔ یعنی وہ جو زمانے  
 کے رنگ میں رنگ جاتا ہے اور پھر وہ ان ہی کے رنگ میں، ان  
 ہی کے انداز میں، ان ہی کی سطح پر سوچتا ہے، دیکھتا ہے، سنا  
 ہے اور پھر ہر چیز میں ان کے ساتھ ہو کر ان ہی میں سے ایک ہو  
 جاتا ہے۔ یہ انسان پھر کہیں تنہائی کا احساس نہیں کرتا۔ کیوں؟ .... کہ  
 سب کی طرح ہے .... ان ہی میں سے ایک ہے۔ وہ ان ہی

کے ساتھ ہے۔۔۔۔۔ سب کے ساتھ کھانا پیتا ہے۔۔۔۔۔ سب کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اور ان کے لذات سے بہرہ اندوز ہوتا ہے اجنبیت اور تنہائی کا احساس تو اس کو ہوتا ہے جو اپنے معاشرے کی اور اپنے زمانے کی برائیوں کو دیکھتا ہے اسے محسوس کرتا ہے اور پھر اس سے اجتناب کر کے پھر تنہا رہ جاتا ہے اور یہی اجتناب اور احساس تنہائی اپنے ماحول سے اپنی دنیا سے کھینچ کر اسے اس کی طرف لے جاتا ہے جس کی وہ پرستش کرتا ہے جہاں اس کے احساسات کو سکون ملا ہے وہ جگہ جو اس کے لئے مناسب ہے۔ وہ منزل جو اس کی شخصیت کے لائق ہے۔

یہی احساس روح کے کال پہننے کے ساتھ بڑھتا رہتا ہے شدید سے شدید تر ہو جاتا ہے اور اس اعتبار سے تکلیف میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ انسان کے لئے سب سے بڑا چیر دہ انسان جو بلدیوں تک پہنچ چکا ہے، تنہا ہے۔

ہم مولائے کائنات کی زندگی میں دیکھتے ہیں جس حد تک بھی ہماری معرفت ہے کہ وہی مولائے کائنات ہمارے ہم تنہا ہیں، مریضوں، بزرگوں، ان کی خاموشی دیکھ کر دل ڈسنے لگتا ہے۔ ان کی باتیں سن کر دل میں ایک درد سا اٹھتا ہے کیونکہ یہ وہی علیٰ ہیں جنہوں نے صدیوں تواریخ بھلائی، جنگیں کیں، قربانیاں دیں اور اس کے بعد عجب اپنی بے پناہ کوششوں اور قربانیوں سے ایک جدید معاشرے کی بنیاد ڈالی، لوگوں کو ایک نئی زندگی دے کر اپنے معن میں کامیاب ہو گئے تو نڈر اپنے ہی ساتھیوں میں تنہا ہیں، ان کو اپنے ہی لوگوں میں اجنبی ہیں۔ صرف یہی نہیں ہم بے بھی دیکھتے ہیں کہ رات کی

تاریکی میں ٹھہرے باہر نکلتے ہیں۔ محراب کے کسی کونے میں منہ ڈال کر  
حال دل کہتے ہیں، آنسو بہاتے ہیں۔ پھر خاموشی سے "اجنبیوں" میں اچلتے

ہیں کسی نکلنے والے نے لکھا کہ شیردن میں نہیں روتا... دوسروں کے  
سانے.... بھیڑیوں کے سانے.... عام جانوروں کے سانے.... بشر  
آنسو نہیں بہاتا، ان کے سانے اپنے دقار کو اپنی عکس کو خاموشی کی چادر  
میں پیٹے رہتا ہے۔ اپنے ناقابل برداشت درد کو بھی چھپائے رہتا ہے لیکن  
.... جب رات کی تاریکی پھیل جاتی ہے، جب اندھیرا ساری کائنات پر چھا جاتا  
ہے تو وہ.... تنہا.... اس وقت صبر کے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں۔ تو اندھیری  
ہر یک رات میں وہ جنگوں، محرابوں میں.... ایسی جگہ جہاں کوئی نہ ہو.... جس  
وقت لوگ اپنے گھروں میں آرام سے سو رہے ہوں.... کوئی تکلیف کوئی مصیبت  
کوئی فکراں کے لئے باعث بیداری نہ ہو.... اس وقت یہ تنہا.... جو  
پہلی کائنات میں اپنے کو تنہا محسوس کر رہا ہے.... یہ زمین، یہ آسمان سب  
اس کے لئے اجنبی ہیں.... اگر اس کا کوئی ساتھی ہے، کوئی مختار ہے، کوئی  
ہمم ہے تو صرف اود صرف اس کا احساس ذمہ داری.... بولے اس معاشرہ  
سے منک کئے ہوئے ہے.... اس کی امانت ہے جو لوگوں سے ملے ہو  
غیر ملتا ہے.... وہ نہ جب وہ اپنے چاروں طرف دیکھتا ہے تو پھر وہی  
نظر آتا ہے اود یہ تنہا ہے.... تنہا ہے.... پھر تنہائی کی تلاش کرتا ہے  
اود پھر آوازوں سے دور، ان اجنبیوں سے دور بہت دور کسی تاریک کونے میں  
منہ ڈال کر اپنا حال دل کہتا ہے۔ صرف اس لئے کہ اس کی حسرت یاد  
اس کی سوا آہیں، کسی ہست قدرت اود کم ظرف کے کانوں تک نہ پہنچیں

مولائے کائنات اس طرح اس نہال کر ہے جیسا کہ انسانیت تنہا انعموں  
 کرتی ہے جس طرح کہ مختلف نظریات نفس کو بیان کیے ہیں۔ میں جو کہہ رہا ہوں اس  
 اس نہال کے بارے میں اگر نام مذہب نہیں تو اکثر مذاہب اس کے مستند نظریات  
 تھے اور دین و مذہب سے بیگانہ و سدا تر بھی یہی کہتا نظر آتا ہے۔ وہ انسان کو ایک  
 الگ، ایک جدا مخلوق فرض کرتا ہے۔ اسکا کہنا ہے کہ نام کائنات ایک طرح سے بھلائی ہے  
 یعنی پہلے ان کی مابیت اور بعد میں ان کا وجود... مولائے کائنات کے... کیونکہ یہاں ہائیکے پرکس  
 سے پہلے اسکا وجود ابعد میں مابیت۔ اس سے پرچھتا ہے کہ سدا تر جو خدا اور مذہب پر  
 ایمان نہیں رکھتا۔ وہ بھی یہی کہتا ہے کہ انسان ایک ایسا عنصر ہے جو لوہے کی مادی کائنات سے  
 جدا ہے اور اجنبی اور بیگانہ... اور انسان جو انیت اور خواہشات جو اسکی فطرت سے ملے ہیں  
 جس قدر سے دور رہتا جاتا ہے تو وہ تنہا ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ جب صحت انسان  
 رہ جاتا ہے تو سب سے الگ صوب سے جدا... اور مولائے کائنات ایک  
 انسان مطلق ہیں۔۔۔۔

مولائے کائنات انسانیت کی پوری تاریخ میں ایک ایسی شخصیت ہیں جس  
 میں مختلف بلکہ متضاد چیزیں جمع ہو گئی تھیں۔ کہیں وہ ایک عالم مزدور کی طرح نظر  
 آتے ہیں کہ اپنے لمبے لمبے ہاتھوں سے اپنے بازوؤں سے مٹی کھود رہے ہیں، تپیش ہوتی ہے  
 چھلانگ دھوپ ہے مگر وہ کام میں مشغول ہیں اور پھر کہیں فلسفی کے مذہب میں  
 سوچے نظر کرتے ہیں۔۔۔۔ کہیں اپنے حقائق کی یاد میں کسی پہنچے ہوئے طر  
 کی طرح دریائے معرفت میں غوطہ زن ہیں۔۔۔۔ تو کہیں ہمارے جنگ جو کی طرح  
 تلوار کے کھیلان میں نظر آتے ہیں۔۔۔۔ کہیں ایک سیاست دان کی طرح ملک و قوم  
 کی بہانہ کرتے نظر کرتے ہیں۔۔۔۔۔



کا حشر نظر آتے ہیں .... وہاں بپ بھی ہیں .... اور وفادار دوست  
 بھی ہیں .... یہ مثال شوہر بھی ہیں ....

اس اہم نکتہ کو کئی سوخ یا ساجیات کا عاہر نہیں سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے  
 مولائے کائنات کی تہان کا باعث ان کی ذمہ اسلام سے رشتہ داری بھی ہے۔ اگر وہ آج ان  
 کے خاندان میں نہ ہوتے تو شاید اتنی مخالفت نہ ہوتی .... یہ وہ شخصیت ہے جس کو دین  
 کے معاشرہ سے کرنا راجد تھا .... لیکن حق کے لئے جو سرکے کئے تھے .... تکلیفیں  
 اٹھائی تھیں .... رنج و مصائب جھیلے تھے .... آج وہی قوار و ہی جنگیں دیکھی جارہی ہیں  
 اس کو سب سے الگ کوٹھ پستے ہو گئے ہیں ۔ اس لئے آج بھی دین میں تنہا ہیں  
 اور اس سے بھی بڑی مصیبت اور تکلیف وہ بات یہ ہے کہ مولائے کائنات کو اپنے  
 چاہنے والوں کے درمیان تنہا ہیں ۔ اپنی اس قوم کے درمیان جس نے اپنی پوری محبت  
 الفت، تاریخ، تعلیم سب ان کے سپرد کر دی ہے ۔ اس قوم میں مل تنہا ہیں

ختم شد

جب آقاؐ اور کھرجے مایوس اہل اکامیاں مجھے عاجز کر دیتی ہیں، تو ایسی تذکیریں  
 میں امیر المومنینؑ کے اقوال، ان کے خطبات اور ان کی ادبیہ ردائیں (مجھے شکر  
 کھا کر گرنے سے بچا لیتے ہیں یہ میرا ذالٰی بحر ہے۔ آپ بھی آزمایئے۔

امیر المومنین حضرت امام علی ابن طالب علیہ السلام کی رات گرامی مقام  
 امت مسلمہ کے لئے کیسا کہہ مقصود ہے اگر آپ شیعہ ہیں تو آپ انہیں اپنا امام  
 آؤں تسلیم کرتے ہیں اس لئے ان کے اقوال آپ کے لئے رہا ہیں اور اگر آپ حنفی،  
 شامی، مائلی، یا حنبلی ہیں تو آپ انہیں اپنا جو تھا خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہیں۔  
 اس لئے ان کے اقوال آپ کے واسطے رہنا ہیں۔

ماخوذ از کتاب "تعلین" تالیف مولانا مرزا محمد جعفر  
 مرشد، ارجستہ کاظمی (جامعہ کراچی)

# علم و آگہی

## اسلام کی محکم تعلیمات

رشد و فلاح کا راستہ ہموار کرتی ہیں اور اس راستے پر چلتے والوں کی  
دنیوی و اخروی نجات کی ضمانت ہیں

رسالہ

مختصر

اجالا

سب کے لیے

خواتین کے لیے

بچوں کے لیے

زیر ادارت

سید محمد علی

بہت جلد انشاء اللہ العزیز

جناب سید مرتضیٰ حسین فاضل مد

## نوح البلاغہ کا ادبی مقام

ہر بڑا انقلاب مبنی کو گھر سے غبارِ اضمحلیت پر دلوں میں چھپا دیتا ہے، اور جب تک وہ انقلاب اپنے گڑا نہ سناج کے ساتھ برقرار رہتا ہے اس وقت تک قوم، افراد، اہل اور ثقافت میں تاثر کی قوت و زندگی رہتی ہے، پھر یہ قوت نئی نئی نایوں کا سرچشمہ بن کر شاداب، نئی تہذیبیں، نئے تقویرات، نیک نئی نسل پیدا کرتی ہے۔

تاریخِ عالم میں اسلام ایک حیات آفریں انقلاب تھا جس نے مبنی کو گڑا کر دیا، مختلف قوموں کے بنائے ہوئے لات کاہل توڑ دیے، افراد کی انفرادی قوانانی ماننے سے انکار کر دیا، لاقانونی کو فساد کے اس جہت کے کلچر، ثقافت، فرونگ و تاثرات کو کھل کر لے دیا، ایک مضبوط قانون، صیادی کردار اور آسمانی خیالات، عقائد و ثقافت کی تردید شروع کی، چنانچہ دس برس کے اندر اندر ماحول و دھن بدل گئے، میسجے حتم ہو گئے، چھوٹی چھوٹی خندہ جلیا، قبائلی نظام اور رسم و رواج ختم کر دیے، بڑے بڑے شاعرین، کاہنوں، خطیبوں، ائمہ ادبوں کو خاموش کر دیا، اس انقلاب کے مین قرآن مجید تھا، اس انقلاب کا آسمانی مہم آفری نبی محمد ﷺ تھے، "کادو دزد کجور تھا، ہر بدش منہ صاحبِ عقل نے ان دزدوں غیر معمولی مجروروں کے سامنے اختیار ڈال دیئے، قصیدہ گو شریائے نثر سنیاں جھڑویں، قصیدے کے رنگ اکھر گئے، کاہنوں کی حلقائی و اشاراتی نشروں کے سننے اور یاد کرنے والے کم ہو گئے، مقررین نے پیغمبر اکرم کے سامنے بولنا چھوڑ دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ جو دینی ادب سیکڑا کج کی طرح

ملکہ صاحبزادہ، پید ہو گیا، کچھ اس ادب کے نقوش کو گنتی کے شمار اور تلواریں سے مستشرقانہ  
ادب کے علاوہ کچھ نہیں ملتا، اور پھر اس میں کبھی نظم ہی نظم، نثر رائے نام ہے۔

سائنس لغت سے سلسلہ بحث جواب پیدا ہوا وہ قرآن و حدیث ہے، اقلیتی ترک  
یعنی اسلام کے پرستاروں نے ان دلوں خیزوں کے ہوتے ہوئے کسی ادب کی ضرورت  
محسوس نہ کی یا کوئی ایسا موانع نہ پایا کہ خود بھی کچھ لکھتے یا لیتے، لڑائیوں میں البتہ رجز  
خواندیاں فرمائی تھیں، لیکن خطبوں اور تقریروں کے موانع یا رتھے نہیں، یا کسی نے تقریر کی  
نہیں، کیوں کہ یہ ضرورتیں وحی یا صاحبِ نبی کے ہاتھوں انجام پاتی تھیں، نامہ شریعت  
تجربوں کی بنا پر نئے احوال میں اپنے اسلوب پر نئے خیالات بیان کرتے تھے، جس میں  
کوئی زیادہ تاثیر کشش نہیں تھی، صرف یہ ہوتا تھا کہ وقتی تعاضلے پورے ہو جاتے تھے۔  
قرآن مجید اور احادیث کی شریعتوں کے معاملات میں کار آمد ہونے کے علاوہ

ادب کی ان عظیم قسموں سے بہکنار ہوتی تھی کہ لوگ شر سے غافل ہو گئے تھے، اور  
قرآن نے اس حرکت کے زعم کے لئے فرمادیا کہ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشُّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ  
مہرِ نغم اپنے نبی کو نہ شر کی تعلیم دی نہ یہ ان کے لئے مناسب ہے۔ پھر اس ماحول کے  
شاعروں کے لئے کہا۔ اَلشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْفَقَادُ: شاعر کے پیچھے نہ جانے والے  
گمراہ ہیں؟ رسول اللہ نے اس تفسیر میں کس حد کی شاعری کو بہت زیادہ قابلِ مذمت  
بتایا۔ چنانچہ ادب برائے ادب اور ادب برائے تعریف رکھ گئی۔

سلسلہ کے بعد ایک قدوسی کا وہ وارہ بند ہو گیا، دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ  
اگر دستِ کم کے ضروریات کا تسلسل نہ رہا، اسنے مسکری کا دلدل، عوامی ضروریات اور قانونی  
تفصیلات کے لئے نظم و نثر کی ضرورتیں ملاحوں کی زبان و قلم سے پوری ہونے لگیں،

مگر نفسانی تاثیر اور قدرتی، شرکی وجہ سے ہر شخص قرآن اور حدیث کے اسلوب پر کھنے اور بولنے کی کوشش کرتا ہو گا۔ پہلے سنانے اس قدر کا عربی مواد محفوظ طریقے پر نہیں پہنچا اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو اس قدر میں کوئی ادب جسے ادب کہا جاسکے پیدا نہیں ہوا، میں جانتا ہوں کہ اس وقت غلط بگاری، شاعری اور تقریر زندہ تھی، مگر وہ پتروں میں اتنی جان نہ تھی کہ مورخین و ادبا انہیں یاد رکھنے پر مجبور ہو جاتے، ادب جاہلیت کا چہرہ تھا، ان کے متوازی ادب پیدا کرنے کے لئے نہیں بلکہ قرآن و حدیث کے نکات سمجھنے، سمجھانے کے لئے آئے ہیں۔

میں اس ذہنی افلاس اور ادبی مجرور میں فرزند ابوطالب، ہمدرد رسول، مجاہد اول، داعی انقلاب و اسلام کا قدیم ترین اور جسے پہلا ساتھی علی بن ابیطالب شہرِ حرکت کا مددگار، آیاتِ قرآن کا حنفیہ اول، کلام خدا کا پُر غلوں بلیغ و مفسر، احادیثِ نبوی کا پہلا معلق و درتب، میدانوں کا جزو خواں، دعوتِ نبی کا پہلا مسیح و مقدر، حکمہ اور مدینہ میں آیاتِ دفرامین نبی بیان کرنے والا، دشمنوں کے سنانے سے برأت اور دوستوں کے سامنے تفسیر و تشریح قرآن و حدیث کرنے والا نظم و شعر کے ذریعہ بہار تھا، اس کی نظم و ادبی شاعریوں کی طرح مقامی شعروں اور میدانِ جنگ کے جوشِ آفرین جذبات پر شش زخمی، بلکہ اس میں ادب برائے زندگی کی روح تھی، اسلام کے مقصد کا پرچہ رکھا، خدا کے بزرگ ہر کی عظمت کا اعلان، دنیا اور اسلام کا رشتہ، اخلاق و مرام کا حکیمانہ تصور تھا، اس کی نظم و ادب کی روحانی عظمت، قرآن و حدیث کی جلالت و شان، اعجاز اپنے جلموں کے لئے تھی، اندم میں جز، جسم میں مریض، عہدِ خیر اشعار، نصیحت کنش قطعات، قدسے طویل مناجاتیں، بی نظیر حضرت علیؑ نے خود تحریر فرمائیں۔

سند کس پر قرآن کی تفسیر حدیث کی تشریح، احکام کی تفصیل بیان فرمائی، کوئی امت پر قدموں کے فیصلے لکھے اور سناے، بزم میں نشست سیرت نبی کے واقعات بیان کئے، دوست اور دشمنوں کو خط لکھے، جہاد کے اور صلح کے قلمبند فرمائے اور منبر پر رسول اللہ پشت فرس، میدان بزم، مسجد عبادت میں تقریریں فرمائیں۔ غرض اپنی مصروف ترین زندگی میں وہ سب کچھ کیا جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کرتے تھے

تقریر و تحریر، نظم و نثر، تالیف و تصانیف، سیرت و کردار میں اتنی دلرانی، اتنی قدرت کثرت کہ اسلوب تفسیر میں پیش نظر رکھے والے اصحاب و تابعین، کلام رسول سننے والے کان اور دماغ ان بالوں کو قلمبند، محفوظ اور نقل کرنے پر مجبور ہو گئے، کیوں کہ حضرت امیر کاشور، ذوق اور ادب انہیں معجزوں کا آمیزہ دلرتھا، وہی زبان، وہی خیال، وہی اسلوب، وہی انداز، اسی رنگ کی عبادت، اسی ڈھنگ کا مطلب، وہی میا کا زہاوان صفت، وہی اسمانی بیجا کا ہر چار اپنے دامن میں لئے تھا جو انھیں نہیں سمجھتے تھے۔

سمجھنے کی تحریریں اور تقریریں لوگوں نے سنیں اور پڑھیں، نہیں ہم نشینی، مشرب ہم راکنی حاصل کیا، کوفے میں آگے آریاں کا احوال سننے سے مختلف تھا، یہاں کی خواتین و خاں سے جدا نہ تھیں، وہاں گھر میں بیٹھ کے جانے بوجے لوگوں میں گفتگو نہ ہوتی تھی، مختصر فقر تقریریں، چھوٹے چھوٹے خط، ایک ایک جملہ کا موطع ہوتا ہوا، لوگوں کو سبلی باتیں دہرا کر کھلی یادیں دلاتے ہوں گے۔ منبر غیروں کا بغض تھا، میدان جنگ میں اہلے کا اتفاق نہیں ہوا، کچھ ٹپا خٹے ہو گئے، کبھی کبھی بڑی تقریر کردی، روزہ گھر میں بیٹھے دہرے سن کر حدیث اور تبلیغ و تشریح احکام مشغلہ تھا۔

کوفہ میں جمعے نیا تھا، لوگ باطل بجاہل تھے، سپاہی بھلے ملقب، شہری

غیر مشرک، مسلمان ناواقف، خائن، اسلام، محمد دار لک شام کی تہذیب و خیالات سے  
 متاثر، صحابہ رسول و نبی دار، واقف کار، ناواقف بن گئے۔ اور حشامی ہنگامہ  
 آرائی، مخالفین کا پروپیگنڈہ، لوگوں کو گھبراہٹا تھا، جناب امیر  
 کو خائن، توحید، اصول اسلام، لری احکام، تشریح مسائل، دشمنوں کے جوابات،  
 دوستوں کی اہم افرائی، جنگی مسائل میں گفتگو، درعام خاص مجبوں میں تقریریں کرنے کا  
 زیادہ موقع ملا، مقبول ہوا کہ کوفہ علم ادب، مسائل و توحید و اسلام، فلسفی اور نفسیاتی  
 تقریروں کا دارالعلوم بن گیا۔ لہٰذا ایسا شہر کہ جس میں مزینہ کے قیس سارا تلوک کے پچھ کی  
 طبع صفت ایک بولنے والا صوم رنہا تھا۔ شام سے پہلے مزینہ میں صولت ایک زبان تھی۔  
 جسے محو عربی کہتے ہیں، اور شام کے بعد کوفہ میں صولت ایک بولنے والا علی مرتضیٰ کو لکھایا۔  
 مکہ و مدینہ کے کاربہوں یا کوفہ اور دشمن کے سربراہ وہ دونوں نے دیکھ لیا کہ علی  
 ابن ابیطالب کا لہجہ، لہجہ نبوی اور اسلوب مدح و تشکر، سانی ہے، کوفہ تو خیر ایک نیا شہر  
 تھا، دشمن جہاں امیر المؤمنین کے دشمن عباسی ہوں سے حکومت کر رہے تھے، جہاں دوسرا  
 کفار و مصاحبان صفت ظلم بڑی بڑی تفرقہ ہوں بڑھاتے تھے وہاں بھی کوئی ایسا انشاء  
 پر داز نہ تھا جو میک وقت نظم و نثر کی ضرورت کو پورا کرتا، ہمارے کلرک ڈوڈر مسلمان دیوبند  
 کے ساتھ بیٹھ کر خفا لکھتے تھے، مہمداؤں کے اندر یکہ تازہ شکریہ زبان آد آتے تھے، تقریریں  
 کرتے تھے، مگر کیا! منشد و گند پر فاستند

امیر المؤمنین تنوہا نظم کا جواب نظم، شرک و اب شرع لکھتے تھے، تقریروں کا  
 جواب تقریر سے لیتے تھے، اور اس شان سے کہ دست سے خطا کرتے اور دشمن اسے جواب  
 کچھ کر دم بزدل دیتے تھے۔

اُس دور کے خطوط آج بھی محفوظ ہیں، مگر ۱۳۳۵ء سے کج نگہی ادیب نے حضرت امیر  
 کے علاوہ کسی کی تحریر کو نہ خوب توجہ دیا، اُنہ کوئی تحریر ادبی سند اور ثقافتی دستاویز بن سکی۔  
 انہیں راجوں کی تقریریں اور حضرت امیر کے خطبے تو ان کا مقابلہ تو مقابلہ کے موقع پر تذکرہ  
 سمٹ کر ناکارہ زندقہ کی علامت سمجھا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ادیب سرچشمہ سہرگرمیت اور  
 آتھارہ منہ حکمت، وجدان کا سیارہ اور نفیات کا خلوص تھا، جہاں جذبات میں کھوٹ جو،  
 وہاں عبارت اکھ جاتی ہے، جہاں علم عمود و سہرہاں فن میں آفاقیت نصیب نہیں ہوتی،  
 جب ادیب عبارت کی تکنیک اور مطالب کی سنجیدہ ترتیب کے ناواقف ہو تو قلم پارہ، کلاب  
 پارہ نہیں بنے پاتا۔

کوئی ادیب یا ادیبانہ ادب کا سراپا اس دلت بننا ہے جسے اپنے ہول میں  
 رہتے ہوئے عام انسانوں سے بلند اور پھیلے ہوئے ادیب اور پنچا ہو، ادیب پارہ حقیقت کا  
 ایک پے تو ہوتا ہے، جسے ادیب الگ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔

دنیا کا ہر بڑا مفکر و سچا می دان بڑا ادیب ہوا کرتا ہے، ا فلاطون، ارسطو،  
 نطشے یا ہیگل، نصیر الدین طوسی یا ابو علی سینا، فلسفیوں میں ادیب تھے، اور گوگتانی زہرہ  
 تو کہا جائے کہ حضرت سقیا، حضرت عیسیٰ اور حضور پرور عالم علیہ السلام خدا و خدا کے بزرگ  
 ادیب کے سر مبارک و مرتبہ، حضرت موسیٰ کی تورہ تھی کہ وَاَخْلَلْ عَقْلُكَ مِنْ لِسَانِي يَقْتَضُوا  
 قَوْلِي "اقتضایا خدا یا، میری زبان کو اتنی زردانی عطا فرما کہ لوگ میری بات کی کج  
 نیت پہنچ سکیں" جبکہ ادیب کی تعریف بھی ایسی کی گئی ہے۔ "ادیب ایک نوع انجیلا ہے"  
 فکری است کہ از ذہن بزمین دیگر می شود، "سخن سخن از لطف علی حد مرصعہ ۱۱۶"  
 اُنہ ان کے اپنے قلم میں کہا ہے۔



ہذا بیکان لیسٹ سن یہ کتاب اور اس کے مطالعہ نام لوگوں کے لئے توفیق  
 ہیں۔ اور شاید غریب نے فرمایا ہے کہ قرأت البیکان لیسٹ سن بیان ہذا کو فرین چنر ہے۔  
 ان طبیب انسان بہتوں کے مفروضات و دعوے سے ادب بنتے ہیں، ایک تو الہام و تائید  
 خداوندی کی وجہ سے اور یہ دنیا اس ادب کو تقدس و عظمت دینا غرض اور عام ادب کو اتنا  
 بھشتی ہے، کہ کل دن حضرات کا خلوص ہر اپنی بے مثالی کی وجہ سے دل کو مرہ لیتا ہے، یہ  
 خلوص ہر ادب کی جان ہے، جب تک شادی میں خلوص نہ ہوگا، ادب میں زندگی نہ ہوگی، غایت  
 نے کیا خوب کہا ہے۔

حسن فریخ شیخ حسن دہ ہے امتہ پہنچے دل گذشتہ پیدا کرے کوئی  
 یہ دل گذشتہ و طرح کا ہوتا ہے، ایک وقتی میمان اور آتی تاثر، جیسے شاعر کا دل  
 یا شعر نفس مقرر کی طبیعت کا اشتغال، اسی گذشتہ یا انفعال سے پیدا شدہ ادب ہوا نہیں  
 ہوتا، کوئی خرزیم ہوتا ہے کوئی محرم، کوئی تقریبے مثال بہتی ہے کوئی خطیبیے جان،  
 کوئی خطبہ دہش ہوتا ہے کوئی قابل نظر انداز۔۔۔ لیکن جب تاثر و فطرت کا جزو گرا خلی کسی  
 مقصد کو فرین دہ سے ہو، ادب کا ایک سوچا بھا پیام ہو تو اس میں نامہ ہوری کا نام نہ مان  
 نہیں آتا، ادب دیب جیہ خلوص رکھتا ہوگا، ادب سی قدر با اثر اور دلکش ہوگا، غلام حقیقت  
 اور صاحب پیام اگر خود خزانہ و عالم ہے تو چونکہ اس کا خلوص لشیب خزانے سے لیا ہے وہی لئے  
 اس کا کلام بھی اس قسم کے اختلاص کو سونپ دیتا ہوگا، اس بات کو قرآن نے اپنے ایمان  
 کی دلیل بتایا ہے۔ وَلَوْ هَكَانَ مِنْ حَسْبِ عَبْدِ اللَّهِ لَوَجَدُوا وَفِيهِ اِخْتِلَافًا  
 کثیرا۔ یہی کلام ان خدا کے علاوہ کوئی اور کرتا تو تھیں اس میں کافی ایسی شے اور ہوا  
 نظر آتی۔ (قرآن)

امیر المومنین کا شعور، روح محمدی اور انفق سے اتنا متاثر تھا کہ لوگ حضرت میں  
 پیغمبر کی تصویر، آنحضرت کی زندگی اور اس معیار کا دل، خلوص اور مقصد دیکھتے تھے، اس پر  
 کے لوگ کہہ سکتے اس میں کتری میں مبتلا ہو گئے تھے، تمام شخصیتوں پر صوفیائی تھے جو  
 سیانگت بل فرما کے تھے: "إِنَّا لَا مُرَاءَةَ الْكَلَامِ" ہم ہیں ادب کے امیر، انجیل الہیہ،  
 ان کا ہر نفس ذکر خدا سے آشنا، ان کی ہر اور انگب اسلام سے رنگیں، ان کا ہر عین مقصد  
 الہی سے ہم جنٹ تھا، چنانچہ قرآن کو اپنی نظر سے لوجل نہیں ہونے دیتے تھے، ان کا دل  
 ہی نہیں شور و لا شور کا ہر حصہ مانتا و مانتا قرآن تھا، انہوں نے دیکھا کہ عرب قرآن کو خط  
 پڑھتے تھے ہیں، نہ لفظ کا غلط تلفظ، ترکیب کے ناواقف، اشارات و مطالب کو مہل تھی  
 ہے، مسلمان کہہ دن بعد اس مجرے کو اجمل کے مذہب سے مجرزدیں، اس لئے اپنی غیر معمولی  
 صلاحیتوں اور افراد احوال سے فطری برتری اپنے خوب دل گردا خشتی کی بناء پر بے چین ہو گئے  
 اور خطیب اسلام، معرفت ترکیب، فطرتوں کے قد و سبب کی لطافتوں کو ملاحظہ کرتے ہوئے قواعد  
 کی تدوین فرمائی، اپنے صحابی اور شاگرد ابوالاسود کی کو اصول علم نحو کی تعلیم دی اور فقہ نحو پر  
 بنیادی اصول و مسائل لکھا، اگر اثر برقرار رہا کہ عربی ادب بھی اسے مستقبل کو محفوظ فرمایا۔  
 ظاہر ہے کہ کسی ادب کا مہینہ فلسفہ ہے جو اس زبان کے قواعد و اصولی قواعد کر دے۔  
 امیر المومنین کے احسانات کی زعمیہ اصل میں دینی ہے، مگر ہمیں اس کا ادبی رویہ بجا  
 سے بھی جائزہ لینا ہے، اس لئے دونوں بیان کردہ احسان دینی طور پر عظمت رکھتے ہیں کے  
 لئے اس سے زیادہ کہ کہنا فطرتوں کی پہلا سے باہر ہے کہ  
 نیک غیر شخص کے لئے ہوا سہو و عفت کا قائل ہے، جس کے نزدیک عربی  
 زبان ایک لادغہ زبان ہے، جو لوگ، عقیدہ رکھتے ہیں کہ عربی میں اتنی سلاسی ہے کہ دنیا کا

اُپنائے، اس کے لئے بھی یہ دلوں باتیں اتنی اہم ہیں کہ اگر یہ اقدام نہ کیا جاتا تو عربی ادب ترکیا خود عربی زبان تک فنا ہو چکی ہوتی۔

علی ابن ابی طالبؑ وہ عظیم حسن عربی میں جن کی شاعرین اثر چھوڑا ہے حیات کا کام کر گئی۔ حضرت نے کوفہ اور بصرہ کی فوجی چھاؤنی میں رہنے والے عرب سپاہیوں، سپاہیوں، آزادانہ گرد آدمیوں کو تعلیم ہول سے کہ سیکھیں اور کچھ دیکھ دیا، کوفہ اور بصرہ کے نئے والی نسلوں کے لئے چراغِ ادب بن گئے، اور کچھ تمام اہل سنت و آراء کی قرأت، قرآن کی عظمت اور اس کا اہم بائیس دو شہروں سے پھیل گیا، اور آج تک تو اسے ادب، فصاحت، بلاغت اور اسالیب و کلام نقد و لغت کے نکتے انھیں یاد سے ملے ہیں۔

تفسیر سکران و تدوین تعلیم و زوالِ ادب کے علاوہ جہاں میر نے ایک اعلیٰ عظیم پر بھی فرمایا کہ جو کچھ لکھا، 'جب بھی بولے اس میں قرآن کو اپنایا، دہی لہجہ، دہی اسلوب خیال، دہی زندگی کے عقائد، دہی افق کی تدوین، دہی حقیقت، آفرینی، دہی انسانی رجحانات، اور دہی آسمانی پیغام مہین کیا، اسے قرآن لایا تھا، ایسی کتاب نہ آ کر تھی بلکہ دہی لایا کہ سننے والوں کے ذاق اس کے علاوہ سب کچھ کھیل گئے، ادب یا قرآن و حدیث یا دہی خالق تھی یا اشعار و مکاتیب و خطب امیر المؤمنین علیہ السلام اگر کچھ پڑھا جاتا تھا تو قرآن و حدیث و آثار دہی۔ اگر کسی کو ادب پر کچھ لکھنا ہوتا تھا تو کتاب کا سب سے زیادہ اہم نمونہ انھیں تھیں جنہوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اور کتنا عام ہے کہ کلاسیکل لٹریچر آدمیوں کے لئے مثالی نمونہ ہوتا ہے، کلاسیکل تالیفات و نثر اور دلوں کے لئے رہنما ہوتی ہے، اصحابِ نقد اور یہ فن کار اس کی تقلید

شروع کرتے ہیں، انہوں کی تحریراتی کوششیں کامیاب ہو گئی تو وہ اسلوب کم از کم ایکٹ  
 صدی تک زندہ رہتا ہے۔

عرب میں بہت عام تھی اس لئے قریباً ذلتِ ادب کی امید کم تھی، "وہابی کتب" اپنی  
 عسکریتی کو پہنچ گیا تھا کہ نیکٹ مچھڑا ہوا، اہل آسمان سے نراں نازل ہوا، شرکی اس پر ہلکا  
 کتابچہ زہی ہی وقتِ قیام کو شل کر دیا، لوگوں نے حب بھی اسے دیا، اس یقین میں پختہ  
 سے پختہ تر ہونے لگے کہ اس کے بعد ہماری کوششیں کامیاب ہوں گی، اس لئے (زیر کوشش رہا ہے)  
 ائیر الٹین نے اس اسلوب کو اپنا کر اتنی تقریریں اور تحریریں پیش کیں کہ لوگوں کو یہ راہ معلوم ہو گئی۔  
 قاعدہ ہے کہ متن کی شرح متن کی مدد سے تصانیف کرتی ہے۔ تصویر کے نقوش

اگر مبہم ہوں تو اس کا جس کچھ دن تک قابلِ جذبہ رہنے کے بعد لوگوں کی نظر سے گزرتا ہے۔  
 لیکن اگر کوئی دفعہ فن اس کے ابہم کو دھڑک دے، رنگٹ اور خطوط کے اشتادات کی توضیح  
 کرنے، انہیں رنگوں اور خطوط کی (دوسری تصویریں بنادیں تو وہ اسلوب کچھ میں آجاتا ہے۔ اور  
 اگر اس میں کوئی سن ہے تو رنگٹ قابلِ تقلید کچھ کر امتیازی مہارت ظاہر کرنے کی کوشش کرتے  
 ہیں اور کچھ دنوں کے بعد وہی فن متحدہ نمونے پیش کرنے کا سبب ہوتا ہے، صاحبانِ ذہن  
 یہ اعلیٰ درجہ کی قابلیت کہنے والے فنکار ہی راہ سے نئی نئی راہیں نکالتے ہیں اور ان سب  
 کی ابتدا اسی پہلے نمونہ کی طرح ہوتی ہے، یہی ان کا عین غلظت کہلاتا ہے۔

ہلکے ادب میں غالب کی نظم آزاد کوشش کی نشاندہی ہے، مدت تک غائب کی  
 نشاندہی ایسا ہی کہ جسے قابلِ تقلید نہیں تھے، مگر حب اس کا تجزیہ کیا گیا، تشریح کی گئی  
 تو پھر ثابت ہوا اس اسلوب کو اپنانے لگا۔ اور وہ مالی کی نشاندہی اور پذیر ہوا اسلوب  
 شروع شروع میں حیران کن تھا، مگر جب خواجہ حسن نظامی اور عبد کن وغیرہ نے اسے اپنا

تو وہی اسلوب مختلف اسکولوں کے لئے سنگ میل ثابت ہوا، نئی نسلوں نے اس عظیم  
 ادب کو اپنایا، اور اپنے ادب کو بے پناہ دستیں کھینیں، مگر یہ اقدام بڑی جرأت، غیر معمولی  
 ذہانت، قابلیت چاہتا ہے۔ اس کے بعد ادب کی زندگی ان کے احسانات کی نمائندہ  
 بن جاتی ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام وہ منفرد حکیم ہیں جنہوں نے عربی ادب میں اس تجربہ کی طرف  
 قدم بڑھایا اور اس شان سے کہ یا تو ایک بھی قابل ذکر لکھنے اور بولنے والا عرب ادیب نظر  
 نہ آتا تھا، یا یہ عالم ہو گیا کہ تاریخ میں ادیبوں کے نام اس قدر نظر آتے ہیں کہ ان کی فہرست  
 بنانا ادب کا خود ایک شعبہ بن گیا، اس بات سے فنی برتری کہنے یا مجزہ کہہ کر ابن عباسؓ، سعد  
 و علیؓ، ابن مزیحؓ، ابن حمیدؓ، صاحب بن عبد اللہؓ، جاحظؓ، ابن جریرؓ، خلیلؓ، مبردؓ، اصمعیؓ،  
 توسیہؓ، ابو جعفرؓ، مگر علیؓ ابن ابی طالبؓ کے مثال ہی ہے، یا یوں کہا جائے کہ امیر المومنینؓ کے  
 بے مثال آدھنے بے مثال ادیب تو پیدا کئے مگر کوئی ادیب علیؓ کے ادب کا جواب  
 پیش نہ کر سکا۔

آج تک ادب میں کاتبوں کے خطوط، مقررین کی تقریریں کو ملتی ہیں، مگر  
 پہنچ البلاغہ نہیں ملتی، انشاء پر ہندوں کی بلاغت کے قرونے توڑتے ہیں، مگر کسی کا ایسا  
 بلاغت آفرین تجربہ نہیں رہا جسے دیکھ کر ایک عرب عالم ادیب بن جائے۔ مشہور عالم عبد الحمیدؒ  
 اپنے تفسیر، ابن ہناتہ، تاحی بن سوار، مولفہ تیسرا عالم حکم، کلام امیر المومنین کا ایک قدیم مجموعہ  
 ایک کئی مرتبہ چھپ چکا ہے، مسعودی، جاحظ، غرض تمام قابل ذکر افراد نے اسے جزو زبان و  
 جزو زبان بنایا اور ادب کے ستون اور عربی کے عین بن گئے۔ اور اپنے اس کسب فیض پر فخر یا انداز  
 میں کہا کہ: حفظت سبعین خطبہ، و من خطب الاصابہ فقاہت ثم فقاہت میں نے

ملی ہیں اور ان کے خطوط اور حکمت منتر خطے یاد کئے تھے کہ ادا کئے دیا پہننے لگے یہ  
 یہ شرف کج نمک صحت ادب امیر الامین علیہ السلام کو حاصل ہے کہ قرآن کے بعد  
 شری و ادبی اسلوب تفسیر کلام علی کا مطالعہ کئے حاصل نہیں ہوتا۔

کج ساری دنیا متفق ہے کہ ڈرامہ، افسانہ، قصہ، مغزل، قطعہ، مشنوی، غرض کہ کوئی  
 صنف ادب صحیح طور پر عیاری اس وقت ہوتی ہے جب اس سے زندگی کو فائدہ پہنچے نہ ہوں  
 کہ صحت حال ہو، ادب میں مواد کا اضافہ ہو، امیر الامین کا یہ بے مثال احسان ہے کہ حضرت  
 نے قرنی ادب میں جسک پہلے، اظہار بیان، فلسفہ و کلام، تاریخ، انفسیات، قوی اور انفرادی  
 اجزاء، اخلاقی اور دینی برتری کے مضامین کا بحر بے پایاں اور ذخیرہ طولانی کا ایک اضافہ  
 ہی نہیں کیا بلکہ اس طریقہ کو خود ہی ایجاد کیا اور خود ہی ختم کر دیا، اب جو بھی کہا جائے گا اسکی  
 بدولت کہا جائے گا۔

امیر الامین نے دل دریاغ وضع کئے، اسلوب آہنگ پیدا کئے، لغزوں اور معجزوں کا

بہتال، استعمال کو موافق عطا کئے، ان سے پہلے کوئی ادیب ایسا نہیں گذرا جس کی بزمیہ  
 تقریریں کو کوئی بے ہوش نہ ہو، حضرت نے وہ انداز پیش کیا جسے سن کر ادیب کا تھا اضافہ  
 کہ یا علی یہ تقریر جاری رکھئے "میں سے پہلے کسی نے اپنے آپ کو زینا زہراء السلام  
 نہیں کہا۔ حضرت کے ادبی احسانات میں فقط زہرا کی تمثیل بقول پیش کشوں، اسلوب  
 حادیں کی عیاری، تحریروں یا تقریریں، شعروں یا حکیمانہ جملوں کا عظیم الشان مجموعہ ہی نہیں

۱۰۰ عہد عرب کے پہلے ہوا ادیب عبد الحمید بن یحییٰ متوفی ۱۳۱ھ کا ہے جسے کئی ادیبوں نے  
 اپنے لئے دہرایا ہے۔

جگہ حضرت نے حسنِ ادا، معراجِ ترکیب، غنئی گفتار، فنیہ کی مطالب، استفادہ و اقتباسِ قرآن کی بے مثال ندرتوں اور صریح کاریوں کے علاوہ جہانِ زبان و ادب کی تمام بینات فراز اور عربی ادب کو زندگی بخشی، وہاں نقد و انتقاد کی راہ کھولی، اکہچے فرمایا۔

وَأَنَّ الْأَمُورَ إِذَا اشْتَبَهَتْ اِعتَبر  
بِأَوَّلِهَا۔

یہ اصول یاد رہے کہ جب کسی معاملے میں شک و شبہ  
مشتبه ہو تو آغازِ عمل و زندگیہ کو یاد رکھو۔

ادب میں اس منظر سے واقفیت، مفتی بارہ اور محمد تقی بکٹ پٹنی کی پہلی شرط ہے۔  
جسے حضرت نے اُحیّت کے ساتھ سب سے پہلے بطور اصول بیان کیا ہے۔ باحضرت کا ارشاد کہ  
ہر شخص کا اس کا رہی سہی کی قیمت ہے۔

یہ باتیں تھیں اُنہ خیالی طور پر نہیں لکھی جا رہی ہیں بلکہ شیخ البلاغہ کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت اُن ادبی ضمیموں کو مناسب مرقعوں پر تباہے فرماتے تھے، چنانچہ ایک مرقعہ لکھے کا تب حمید اللہ بن ابی رافع سے فرمایا تھا۔

اُنھیں روایت کیا، 'وَاِطْلُ جِلْفَةَ قَلَمِكَ'  
وَتَزِجْ بَيْنَ السُّطُورِ، وَفَرِّطْ بَيْنَ  
الْحُرُوفِ۔ - فَإِنَّ ذَلِكَ أَجْمَدُ مِمَّا  
نَصَبْنَا فِيهِ الْخَطَّ۔

(۲) کمر، کمر، کمر

لے بیڑہ نہی لے نکھاپ کو نہ اس بھیا نہ چھک کوئی توت میں کی جا سکتی ہے نہ کوئی بھیا نہ کوئی اس کے مقابلے میں خواجہ سکتا ہے۔ اس علم ان نے کراپنے مہر کی کتاب کی حاصل کیا میں کافی تفسیر بہت کی ہے۔  
 دیکھو کہ ہری شوج مہر نے اس خود بیان کو کھل کر منکر اینصحت پر ہے۔ (افغان)

بہانے زہانہ میں جب تک کوئی شور اپنے شباب پر ہے، فن کار ادیب اپنی تحریر کے لئے  
 دیدہ زیب کلمات و لطافت کے قائل ہیں، یہ ماننا جا چکا ہے کہ ادیب کے اشارات، فن کے  
 نکتے اُس وقت تک نشہ افکار نہ رہتے ہیں جب تک بیان کے تحت قطعاً لہجہ انداز بیان  
 میں توضیحی عناصر نہ ہوں، اسی طرح تحریر میں اگر معنیہ علامتیں استعمال نہ ہوں تو ادبی لکھائی  
 ادب جاتی ہیں، ناظر و قاری ادیب کی ذہنی کیفیت اور ادیب کی لطافتوں سے لطف اندوز  
 نہیں ہو سکتا، بس تجزیہ اور تجزیہ کی روشنی میں امیر المؤمنین علیہ السلام کا یہ ارشاد دیکھا جائے تو  
 معلوم ہو گا کہ حضرت نے عام ادب پر مبنی انداز عربی ادب پر خصوصاً کتب ابرار احسان فرمایا ہے۔  
 اس جذبہ معرفت کسری و بصیرت پاشی کا اثر تھا کہ حضرت ادیبوں کی جماعتیں دیکھنا چاہتے  
 تھے، آپ نے نئی نسلوں کو پیغام دیا ہے کہ ۔۔۔ تَعَلَّمُوا وَاعْرِفُوا قِيَّاتِ السَّعَادَةِ عُنْدَ  
 حَتِّ لِسَانِهِ۔ ہونا سیکھو اور پڑھا کرو، لوگ تھلری قدر قیمت معلوم کر سکیں گے، کیونکہ انسان  
 زبان کے پردے میں چھپا ہوا ہے۔ نوک ناستی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ۔

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد

عیب ہنر نہ گفتہ باشد





يَكُنْ الْفَيْتُشْنِ نَيْنِ صَقِيلِ سَوِيْنِ زِيْنِ

حِكْمَةٍ عَنِ

عَرَبِيْ اَدَبٍ بِرَ اَثَرِ

کبھی سُن کی تاثیر یا نثر معلوم کرنے کے لئے موضوع بحث کو تجزیہ کی حالت میں دیکھنا تقریباً ناممکن ہو کر رہتا ہے، اس لئے موضوع کا پس منظر اور اس کے مستقبل کا جائزہ لے کر فیصلہ آسان اور قدامت واضح ہو جاتا ہے۔

بحث یہ ہے کہ ”عربی ادب“ پر ”کلام علی“ کا اثر ”ہو یا نہیں؟ اور ادب میں وہ کن کن خصوصیتیں پیدا ہوئیں جن سے یہ معلوم ہو کہ ”کلام علی“ نے ادب کو متاثر کیا، مشکل یہ ہے کہ ”عہد تہذیب مدیج“ سے پہلے کسی خاص چیز کا پس منظر معلوم کرنا ”کدائی“ اور زمین میں امدنیات کی تلاش سے کم نہیں۔

اَدَبِ جَاهِلِيَّتْ

اَدَبِ کلام علی کا پس منظر سمجھنے کے لئے ”ادب قبل از اسلام“ کا مطالعہ کرنا ضروری ہے، مطالعہ اگرچہ کافی طولانی ہے لیکن مختصر یہ ہے کہ ”ادب قبل از اسلام“ جسے ادب جاہلیت کہتے ہیں، مدیج کے تینوں عہدوں کو، ”عہد قحط“، ”عہد تمدن“، ”عہد تہذیب“ کہتا ہوں۔

کہتے ہیں ایک ہلندہ زنہ، اور تاریکی اوسبچہ، اس کے دامن میں تیز و تند ہوائیں رکنے  
کی آذہیاں، پھیل میدان، اطلال و دمن، اور کچی نیچی پہاڑیوں پر آتش کی شعلہ فشاں،  
یا کبھی کسی آبادی کے کھنڈر اور زمکاہوں میں تلواروں کی چمکت نظر آتی ہے، اس پر پڑتے  
پھرتے تبیلوں کا نظام معاشرت، شہروں کا انداز زندگی، قبائل کی خانہ جنگیاں، افراد  
کے ذہنی، اخلاقی اور مذہبی اصول و عقائد، سبھی اس کے منظر نظر آتے ہیں۔

شخصی، اجتماعی کردار، قومی اور قبائلی دستور و عادات، انہوں کو ادب جاہلیت  
پر مثال دستاویز ہے، سادگی، شہامت، خست اور جنگبونی کے جذبات کا یہ دستور نصیحت  
آفرین ہیرت، اخیر مذہک ساؤرکن ہے، لیکن وہ عرب و شعر کو سمجھ گاہ جانتا تھا جس نے  
بنی ثعلبہ کو ہر حکومت و برتری بنیادی تھی جو اپنے شاعر کے مشہ کار کو "جادو دان" اس قدر ایک  
ہستی کے لیے بھی اس کے لڑکچہ میں ایک مٹا ہے، اور وہ ہے "نثر" کا نقد ان، مورخین۔۔۔  
اور آثار ادب میں تھے، یعنی کہانیوں، یا مذہبی نثر کا نام نہیں، بلکہ وہ صورت یہ جانتے ہیں  
کہ بڑا دل میں اگر ایک طرت شاعر اپنے قصیدے، غزلیں، ترانے اور شاہ نامے سناتا تھا  
تو دوسری طرت ان کے شاعر میں غلبہ تقریب کرتے تھے، یہ تقریب مذہم میں برجستہ ادواں  
الغلبہ کفرین و غیرہ تھیں، اور بزم میں سترت خیر و فقر اکیز و مسیحی عہد ارت، ایستہای انداز اور  
بناصی و نمیدگی سے بھاری، طریہ و دوزخ نثریں بنیادی خیال، موزونی فکر اور قصہ و انشا  
سے خالی تھیں غلبہ سلسلہ تھا اور دھماکے کے لیے کمال کا مظاہرہ کرتا تھا، تلفظندی کا ہواں چوک  
واعلم انہ کان العرب الخطب والنش عرب تقریریں اور نثر پر پوری توجہ دیتے تھے  
غالبۃ الاختصاص حتی قال صاحب صاحب الزمان والربان کے بقول  
والربحان والربحان ان ما تکلمت شہر کا اور ادب نثریں عربی نے اعلیٰ درجہ

بہار عرب من اهل المدن والرب من جليل  
المنصور ومن روج الكلام اكثر ما تكلت به  
من المونرون عشره ولا ضاع من المنور  
عشره (پنج ایٹھے ۳۱)

نثر سہاری مرتبہ کی نثر، نظم سے زیادہ  
استعمال کی، مگر نثر کا دسویں حصہ بھی  
مفرد اور نثر کا دسویں حصہ بھی مفرد  
نہ ہوا۔

پہلی طرح کی تقریریں کرتے تھے، تمہیدی اور غیر تمہیدی تقریریں۔ "ہنرا"  
کہلاتی تھیں، پھر یہ خطبہ دو طرح سے پیش کئے جاتے تھے۔ کھڑے ہو کر پورے دالے "جا آغا"  
ان لوگوں کے بارے میں بڑے مولودت فراہم کئے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر  
پورے دالے منور، سیاسی و معاشرتی موضوعوں پر کھڑے ہو کر بڑے تھے، اور فقط کھڑے کا خطبہ  
بیچ کر اور کیا جاتا تھا۔ اسٹیج کے خطبوں کا انداز یہ ہوتا تھا کہ۔

وكان لكل قبيلة خطيب حكما كان  
للكل قبيلة شاعر۔

جس طرح ہر قبیلے کا ایک شاعر ہوتا تھا  
اسی طرح ہر قبیلے کا ایک خطیب بھی تھا۔

واكثر ما كانت الخطابة في  
التعريض على القتال والتحكيم في الخصومات  
واصلاح ذات البين، وفي المناسبات  
والمنافرات والوصايا وغير ذلك۔

انہر جی تو یکساں آپس کے مجازوں  
میں فیصلے، صلح صفائی، غزوہ و ہجرت و ہجرت  
و نصرت وغیرہ کے موقعوں۔

وكان من عادة الخطيب في غير خطب  
الاملاك والتمرد بحوان مستطاب قائما نوعا  
لتسوية من روج على ظهره لعلته  
لا يساء مدى الصوت والشاثير

ہرے لوگ ملتے تھے،  
کسی چیز کے ذریعے، یا عقد صلح کے  
طرحہ خطیب، کھڑے ہو کر بڑے تھے،  
اسٹیج یا تو کوئی چوڑا، ٹیلا، ہوتا تھا  
یا لوٹا کی پٹی پر سے کام لیتے تھے۔

بشخص، و اظہار ملاحظہ و تہنیت  
 مقدم تھا کہ آؤ اور تکتہ پہنچے، شخصیت کے  
 جوارحہ، و کاغذی مدح و توصیف  
 العرب کیا جائے، چہرے کے اندر چاند کا  
 العاقبۃ والاعتماد علی محضۃ اوصی  
 جائیں۔

اوقنۃ اوقوس۔ اس کے علاوہ کچھ اور بھی کیا جاتا تھا، مثلاً:

و کتبنا اشار باحدہا ہوا  
 باندھتے تھے، چھری منیرہ بالکان اتار میں بہا تھ  
 بید۔ (امیر ادب) اور کبھی ہشتم دابر و داتھ سے مشدہ بھی کرتے تھے۔

اُس دور کے بڑے بڑے فلسفہ دانوں میں چند افراد یہ ہیں:

۱۱) قیس بن عاصم (مسننہ و تقریباً) رئیس نجران کا لاٹ پادری، حکیم و صلح کے علاوہ  
 جنگ و احس و غیر کا خطیب مانا گیا ہے۔

۱۲) خویہ بن عسدر غطفانی، جنگ نجران کا مقرر۔ حاکم۔

۱۳) قیس بن مسعود، عرب کے مشہور بزرگ اور عظیم الشان سپہ سالار، "کا خطیب جس کا  
 ایک خطبہ رات بھر بولتا تھا اور حضرت ہی کی روایت نے اس کے ایک خطبے کو محفوظ فرمایا۔  
 (الصحیح الاثنی عشر، ج ۱، صفحہ ۲۱۲)

۱۴) اکثم بن صیفی جو نہان بن منذر کی طرف سے مدبار کرسی میں بولنے والے وفد کا صدر تھا۔

۱۵) ابو ذؤبیر بن محمد بن ابی الزہدی، ام المازن ۶۱۳ء میں پیدا اور ۶۶۳ء میں مرا ہے۔

و یمن کا بہادر، عرب کا خطیب اور غلبہ کا ادیب تھا۔ سترہ میں مسلمان ہو کر مرتد ہوا  
 پھر اسلام لایا اور مسلمان مرا۔ (تاریخ ادب العرب) احمد حسن زینات ص ۲۴۵۔ (البحر)

۱۶) یونس بن عیسیٰ، جہ بن ریشہ، غلام ثانی للخطیب "قرن تقریر کا شیر کتا ہے۔

۱۷) اصل میں احدا تھا ہے، مقلد شعی کا بیان ہے کہ سلاوی ضمانت میں کیوہ سے شیخ کو تقریر کرتے تھے:

(۸۷) ان کے علاوہ قریش کے آتش نفس مقررین میں جناب رسالتکرمہ و امیر المؤمنین کے جبرمفت کعب بن لوی ہیں۔ سید احمد ہاشمی لکھتے ہیں:-

میں اقلہ حضرت کعب بن لوی مکان  
ذالقوم عظیم فی قومہ حتی  
اگر ہوسقہ۔ (ج ۱ ص ۲۷۲)

نقل قندی کا بیان ہے کہ اس عہد میں عربی فن خطابت میں ابھی غامی ترقی کر لی تھی، مگر دوسرے نتائج پور گیا، قیس کا خطبہ آنحضرت کی قوم اور کعب کا خطبہ یمن کی طبقات کے ہاتھوں تک گیا، پھر حضرت ابوطالب و جناب امیر و تری جناب رسالتکرمہ کا وہ خطبہ محفوظ ہے جو اپنے عہد جناب مذکور کے برتہ پر ارشاد فرمایا تھا۔

الحمد لله الذي جعلنا من ذرية  
ابراهيم ونزوح اسماعيل ذنن  
معد وعنصر نضر. وجعل لنا بيتا  
محبوبا ومحروبا آمنا وجعلنا آتاليتنا  
ومواس حرمة وجعلنا حكاما على الناس.  
فدركنا ايننا نجي. محمد بن عبد الله  
من قد علمنا قربا لله و هو لا يوزن

اس خدا کا شکر میں نے ہم کو ذریت ابرہیم  
و کتب اسماعیل پشت معد و نضر میں  
خلق کیا، اپنا مرکز دعا کعبہ اہل امن کا  
حرم میں مظاہر کر اس کا امن اور محاذ  
قراردے کر لوگوں پر حکومت کا عہد دیا۔  
میرے بھائی کا فرزند محمد بن عبد الله  
میں سے میرے خلق کو آپ سب جانتے ہیں۔

ان کی آفرین کے لئے عظیم الشان ہے جسے ۱۲۷۱ھ کو ذی قعدہ ۱۲۷۱ھ میں لکھا۔

نزع ابراهيم وذرية اسماعيل۔ ۱۲۷۱ھ میں لکھا۔ (۱۲۷۱ھ میں لکھا)

بہ احد انکرمو بہ ، فان کان فی  
العال قتل ، فان المال ظل نائل ۔  
وقد خطب خدیجہ بن بنت خویلد  
وبذل لہا من الصدقات ما احب لہ  
واحدہ من مالی حکذا وکذا وھو  
واللہ بعد ذلک بناؤ عظیم وخطر  
جلیل ۔ (کتاب التذکۃ للفقہ العربیہ ص ۱۶۱)

یہ وہ شخص ہے کہ اس کے مقابلے میں جیسے بھی  
قرلو گے مٹائے گا ، اگرچہ مال کم ہے لیکن  
دولت کو دھلتا سایہ اور چمکتی پھرتی چھاؤں ہے۔  
اس فرزند نے خدیجہ بنت خویلد سے بھوک  
کرا چاہا ہے ، تنہا تنہا فریاد نہ بنا کر فریاد  
لگا کر میرے دل سے پھر رہا ہے۔ خدا کی قسم اس  
عظیم الشان انسان کے متعلق بڑی بڑی پیش گوئی  
اور عظمتیں ہیں۔

خطبہ بعد کے ادیبوں نے جتنے جتنے محفوظ تو کئے لیکن نہ ان کی روایت مسلسل ہے  
نہ ترتیب ، پھر ان کی معتد ذرا ذہنیت بھی قابلِ اہمیت نہیں ، نہ وہم نے اس سے دل چسپی  
ظاہر کی نہ خطیبوں نے رادی رکھے ، لوگوں نے بات سنی اور بہت پسند کی تو ایک آدھ مزید  
اپنا کیا ، علم تھا نہیں ، تحریر جانتے نہ تھے ، خشک و طویل جملات میں حافظے میں کیسے رکھتی  
تھیں ، پھر مقابلہ تھا ہنگامہ آفرین قصیدوں ، جوش اور جڑوں اور دوار انگیز انیمیت  
فیز نکلنے سے ، لہذا یہ بے ادب گئی اور تنقید و تادیب کے سامنے نہ صرف یہ کہ کچھ کہہ کر  
لیا تو یہ ادب مقفے بستج ، سادہ و غیر مسلسل ، ادب اور نگارنگ اسلوب ، لکھتا ہے جس میں  
اخلاق زیادہ اور علم کم ہے ۔  
(ذاتی آئندہ)

۱۔ ... شران محمد بن عبد اللہ ابن ابی من لا یؤمن بہ نق من قریش الذی ہم بہ تہنؤ فلا  
وہدلا وھدلا وھدلا ۔ وان کان فی المال قتل ، فان المال حار وہ مسترجعۃ  
وظل نائل ، ولہ فی خدیجہ بنت خویلد مہینۃ دھانۃ مہمل ذالک وصا  
الوہد من الصدقات فسل ۔ (المجلد ۲۶ ص ۱۱۶)

جناب سید رضی جعفر نقوی

# مستقبل کی نسلوں کے نام حضرت امام علی کا پیغام

دیکھ تو ملائے کائنات کے تمام فرمودات آپ کا سر بلند اور ہر فقرہ حکمت و معرفت کا انمول خزانہ ہے اور آپ کے تمام ارشادات میں انبیاء و ائمانہ کے لئے ہدایت کا سامان موجود ہے۔ لیکن خاص طور پر آپ کی وہ وصیت جو آپ نے اپنے فرزند ارجمند کے نام فرمائی ہے وہ اصل نوع انسانی کے لئے ایک خصوصی پیغام کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ زیر نظر مقالہ صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کے لئے شعلہ ہدایت ثابت ہوگا اور زندگی کی تاریکیوں میں ہر راغ راوین کر سکتے ہوئے انسانوں کو نجات کے راستے پر چلنے میں سہارا دے سکے۔ یزید مگر ہم اس مقالے کو پیش کرنے کا مقصد ہے

مقبول افتد زہے عز و شرف

حضرت امیر المومنین فرماتے ہیں:-

”یہ وصیت نامہ اس باپ کی طرف سے ہے جو دنیا سے جانے والا ہے جبہ زمانہ کی پیروی و امتیاز کا اقرار و اعتراف ہے جس کا بیاد نہ عمر اب لم یزید ہونے والا ہے اور جو زمانہ کی سختیوں کے آگے ہر اندامِ اختر ہے۔ دنیا کی بڑائیوں کا ادراک رکھتا ہے۔ موت سے ہلکنار ہونے والوں کے گھروں میں مقیم ہے اور کل گویاں سے رفت سفرانہ منے والا ہے۔“

(عن ابی العباس) ”گویا آپ فرمانا چاہتے ہیں کہ دنیا والے میرے ان کلمات کو اس حیثیت سے نہ دیکھیں کہ امیر المومنین، امام المومنین، یوسف الدین، قاتل بدھشتی والد حسینی، برادر رسول اکرم، شوہر بتولِ مکی، علی بن ابی طالب، فرزند ابوطالب، کل دکان

امام اس والہامان، اساقی کوثر، قہرچغیر، شیر خدا، شکل ستار، وصی حضرت محمد مصطفیٰ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے ۔

اور پھر اس فکر میں پڑ جائیں کہ سولائے کائنات نے اسے آپ کو دیا ہوئے والا کیوں نکھا ؟ جبکہ وہ حیات جادواں کے مالک ہیں۔ اہولائے خود کو رماہ کا معترف کیوں قرار دیا ہے جبکہ رماہ اس سے لڑنا تھا۔ رمانے کی کہنیوں کے آگے خود کو ہیرا، حسنہ نہیں کہا ؟ جبکہ ایک زمانہ کیا کوئی بھی رماہ آج کا بھی لکھا آپ پر خطاب آنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ بلکہ آپ غائب ملک کل مالک ہیں ۔

اں تمام باتوں کا اور اس قسم کے ہر سوال کا جواب پیسے ہی جیسے میں سوچتا ہے اور وہ یہ کہ اس وصیت نامہ کو اس حیثیت سے صحت و تجویز وصیت کس سے قرار دینا ہے بلکہ اس حیثیت سے دیکھ کر یہ ایک ایسے آپ کی وصیت ہے جو مقرب رانالی سے جانے والا ہے۔ اور جب آئے ہمہ گیری کے ساتھ دیکھ جائے گا تو اس کا ایک نامہ یہ بھی ہوگا کہ وصیت نامہ بلا طریق مذہب و ملت دیا کے ہر انسان کے لئے دستور العمل قرار پائے گا تاکہ کوئی شخص اسے صرف مسلمانوں کی منہ ہی دستور نہ سمجھے، بلکہ ہی سورج، انسان کی بات کا شریہ قرار دے جس میں خطاب کرنے والا ایک آپ ہے اور جس سے خطاب کیا گیا وہ ایک بیٹا ہے اور اس قسمی دیا کے ہر آپ بیٹے کے لئے یہ وصیت نامہ ایک درس حیات قرار پائے۔ اور اس قسم کی جامعیت و ہمہ گیری امیر المؤمنین کے بیشتر خطبات و کلمات میں نظر آتی ہے۔ اور آپ کی بلاغت و فصاحت کی اسی بلندی کو دیکھتے ہوئے دنیا بھر کے صاحبان فکر و نظر آپ کے ارشادات کے بارے میں یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ تحت کلام الخالق فوق کلام المخلوق آپ کا کلام خالق و درجہاں کے کلام سے فرد مخلوق کے کلام سے بلند تر ہے، اور یہی وہ بات ہے جس نے ”بنیابہلا عمہ“ کو دنیا بھر کی کتابوں پر ایک خصوصی امتیاز عطا کیا ہے۔

حضرت امیر المؤمنین اپنے وصیت نامہ میں ”باپ“ کی خصوصیات پر روشنی ڈالنے کے بعد اس سے عائلی انداز میں بیٹے کی صفات کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ۔



(یہ وصیت نامہ ایک ماپ کی طرف سے) ایک ایسے بچے کے نام ہے جسے ابی بکر  
 کی بھی آرزو ہو سکتی ہے، جنہیں وہ نہ پاسکے گا، جہاد و دم کا راہ سپار، بیمار یوں کا ہدف،  
 زمانے کے ہاتھوں گرو کی مصیبتوں کا نشانہ، (نیل کے ہاتھوں بے بس، اس کی ناپائیدار یوں  
 کا تاثر، موت کا قریب دار، اجل کا قیدی، غلوں کا حلیف، حزنِ ملال کا ساتھی، آفتوں  
 میں مبتلا، نفس سے عاجز اور دنیا سے جانے والوں کا جانشین ہے)

امیر المومنین کے فرماں رفیع الشان کا ایک ایک فقرہ اپنے اندر طالبِ دعا کی  
 کا ایک حقیق مسند لئے ہوئے ہے جو ساری دنیا کو دعوتِ فکر و عمل سے رہا۔ اور عقلِ سلیم  
 رکھنے والوں کو ہار بکار کر بی نصیب کر رہا ہے کہ اس دنیا نے ناپائیدار کے دھوکے میں  
 نہ آیا کیونکہ کل مٹی کا علاء الا وجہۃ اور اسی کے ساتھ یہ تمام فقرے اس بات کی  
 طرف بھی متوجہ کر رہے ہیں کہ اس ہدایت نامہ کو کسی خاص شخص کے لئے مخصوص نہ سمجھا  
 اور نہ سمجھا کہ اس میں فیضیں حضرت امیر المومنین سے پہنچے کسی لرزدہ کو فرما کی تھیں جو اسی زمانے  
 یا اسی فرد کے لئے تھیں۔ بلکہ جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا ہے اس پورے وصیت نامہ کی  
 یہ خصوصیت ہے کہ یہ امت تک پہنچنے والے تمام انسانوں کو دعوتِ فکر و عمل سے رہا  
 ہے اور اسی لئے ہم نے اس کا عنوان یہ قرار دیا ہے کہ حضرت علیؑ کا پیامِ سبیلِ نوح کے  
 نام اور مطالب کی ہمہ گیری اور مظاہم کی ہامیت خود ہی اعلان کر رہی ہے کہ یہ وصیت نامہ

---

ملے اس لئے کہ انسان اس دنیا میں جاگت ایسی باتوں کی تلاش کرتا ہے جن سے حاصل سے عاجز رہا ہے بقرآن  
 شاعرہ "ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہم خواہش سے دم نکلے۔"

لئے "نہ پائیدار یوں کا تاثر" اس لئے فرمایا اس دنیا نے ناپائیدار میں متوجہ رہا ہی موتِ ناب کا چھوٹا  
 یہ خط ہے نہ نام، اس لئے دنیا کے لوگوں میں یہ لایا انسان در حقیقت اس چیز کا کاؤ دار کہ تھیں وہ پائیدار ہیں۔

میں "نفس سے عاجز رہا" دیکھا ایک خطِ قرآن کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اگرچہ خدا کا طلب، پیچیدگیوں کے درمیں  
 رہا انسان کو تھکا دیتا ہے، جہادِ شریعتی اور غیر شریعتی، جو چیزیں جو چیزیں نفسِ طلب کرتا ہے، ہر انسان خصوصاً طلب کے  
 آگے بڑھ کر لادیر رہا، جس سے حاصل میں ہمارے تھکے ہیں کہ اس کا ایک سود و سودہ کی قسم جو ملتی ہے۔

اور ہر ایک باپ کا اپنے بیٹے کے نام ہے لیکن درحقیقت یہ ایک مشورہات ہے  
تمام آنے والی باتوں کے لئے۔

### اصلاح نفس

حضرت امیر المؤمنین ارشاد فرماتے ہیں۔

”تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے دنیا کی روگردانی، زمانے کی منہ زور کی اور  
آخرت کی بیش قدری سے جو حقیقت سچائی ہے وہ اس امر کے لئے کافی ہے کہ مجھے  
دوسرے مذکوروں اور اپنی فکر کے علاوہ کوئی فکر نہ رہے۔

یعنی دنیا کے تغیرات، زمانے کے حادثات اور منازلیں آخرت کے واقعات  
انسان کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں کہ ہر چیز سے بے پرواہ ہو کر اصلاح نفس کی طرف  
مائل ہو جائے اور تمہیں ہر آن میں اپنی سیرت و کردار کی تعمیر ہی کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔  
اور ہر قسم کی مصروفیات کو ترک کر کے اپنے نفس کی آراستگی میں مصروف ہو جانا چاہئے  
کیونکہ دنیا کا یہ سفر مغرب مہم ہو جائے گا۔ اور پھر آخرت کے ان حالات کا مقابلہ  
محرب پڑے گا۔ جہاں نہ مال کام آئے گا نہ دولت، نہ اقتدار نہ حکومت، نہ جاہ و حشم  
نہ ثروت، نہ عہدہ و منصب نہ معاشرتی حیثیت بلکہ صرف پاکیزگی نفس اور عظمت  
کردار ہی، انساں کو اس منزل پر پہنچاتا رہا سکتی ہے۔

### اولاد کی محبت

حضرت امیر المؤمنین فرماتے ہیں۔

”آخرت کی سختیاں اتنی زیادہ اور دباں کی باز پرس اتنی شدید ہے کہ انسان  
کو سوائے اپنی ذات کی اصلاح کے کوئی اور بات یاد نہ رہے۔ البتہ اولاد سے  
انسان کا ایسا فطری اور مضبوط رشتہ ہے کہ اس کی یاد سے دل خالی نہیں رہ سکتا چنانچہ  
آپ فرماتے ہیں۔

”جب میں نے دوسروں کی فکر سے آزاد ہو کر اپنی ذات کے بارے میں سوچنا  
شرع کیا اور عقل و بصیرت، خواہشات کے راستے سے الگ ہو کر احسانت رائے کے

ساتھ راہ پیدا ہوئی اور حقیقت حال کچھ کر میرے سامنے آئی تو میں ایک ایسی خام  
حقیقت اور بے لاگ صداقت تک پہنچا جو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ میں  
نے اور کب کیا کہ تم میرا ہی ایک جز ہو، بلکہ خود میں ہوں وہی تم ہو۔ یہاں تک کہ  
اگر تم پر کوئی آفت آئے تو جو یا تم پر آئی ہے اور تمہیں موت آئے تو گویا مجھے آئی ہے۔  
امیر المومنینؑ کے ان کلمات میں کائنات کی ایک اہم حقیقت پنہاں ہے اور  
وہ یہ کہ ماں باپ اور اولاد کے درمیان جو بھی رشتہ ہے وہ یورپ کے عہد فوشن  
کے مطابق "جبر طبعیت" کہیں ہے جس کے نتیجے میں ماں باپ اولاد سے لا تعلق  
ہونے کی غیر فطری کوشش کرتے ہیں یا اولاد ماں باپ کو اپنے اوپر ایک وزن کھڑے  
جلد ارجلہ اپنے سر سے اتار پھینکنا چاہتی ہے۔ بلکہ اولاد کا ماں باپ سے تعلق ایک  
محسوس فطری حقیقت ہے اور انسان جب بھی اداہم و تنہیل سے آزاد ہو کر حقیقت  
نفس الامر کی طرف متوجہ ہوگا اور جب یہی ذات کے باطن میں خود کے گہروں اولاد  
کا خیال ضرور آئے گا اور فطری طور پر یہ خواہش پیدا ہوگی کہ اگر میں کا گناہ حیات  
میں ناکام رہا ہوں تو میری اولاد ناکام نہ رہے۔ اگر میری معاشرتی حیثیت بلند  
نہیں ہو سکی ہے تو میری اولاد کی ضرور بلند ہو اور اگر میں علم و معرفت سے محروم رہا  
ہوں تو میری اولاد علم و معرفت سے محروم نہ رہے۔

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ باپ کے دل میں بیٹے کی احتیاجات کا خیال پیدا  
ہونا وہ فطری صداقت ہے جو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کیونکہ اولاد پر پڑنے  
والی مصیبتوں کو ماں باپ اپنے دل کی گہرائیوں سے محسوس کرتے ہیں چنانچہ مولا خاتون  
ایں

جب میں نے یہ محسوس کیا کہ اولاد اگر پریشانیوں تو ماں باپ محزون پڑتی ہیں۔  
مجھے تمہارا بھی اتنا ہی خیال آیا جتنا مجھے خود اپنا خیال آ سکتا ہے اور تمہارے تنہا  
کی فکر کرتے ہوئے ہی میں نے یہ وصیت نامہ تمہاری رہنمائی کے لئے تحریر کیا ہے اس  
امید کے ساتھ کہ یہ تمہارے لئے مددگار ثابت ہوگا خواہ اس کے بعد میں دنیا میں زندہ

رحمہ اللہ یا دنیا سے رخصت ہو جاؤں

من اسرۃ الدھر ان میری انکسار

جھٹکی علی الارض فلیہا ولدا

جو ابر حکمت

ایمراٹوین فرماتے ہیں۔

سہماتیں دھیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔ اُس کے احکام کی پابندی کرنا۔ اُس کے ذکر سے قلب کو آباد رکھنا اور اُسی کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھنا، کیونکہ تمہارے اور اللہ کے درمیان جو رشتہ ہے اس سے زیادہ پائیدار اور کون رشتہ ہو سکتا ہے۔ ہر بشر طیکہ تم مضبوطی سے اس رشتہ سے جو رشتہ ہو جیسا کہ خالقِ دو جہاں کا ارشاد ہے۔

واعتصموا بحبل اللہ، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو، یعنی کائنات میں سب سے بہتر اس رشتے کو سمجھو جو عید و مہو، خالق و مخلوق اور اللہ اور انسان کے درمیان ہے کیونکہ اس کے علاوہ جتنے رشتے ہیں وہ سب ختم اور فنا سے ہم کنار ہو جانے والے اور شکست و ریخت سے دوچار ہونے والے ہیں صرف عہدِ مہمود کا رشتہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا چنانچہ قرآن مجید میں بار بار اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اس رشتے کو استوار رکھنے کی کوشش کرو جو سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ مستحکم ہے۔ اور اس رشتے کو زیادہ سے زیادہ پائیدار بنانے کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے ان کی طرف توجہ دلائے ہوئے مولا فرماتے ہیں۔

”و حفظ نصیحت سے اپنے دل کو زندہ کرو اور نہ دے کے ذریعہ نفسانی خواہشات کو مثلاً یقین کے نہ پیو اسے قوت بخشو۔ حکمت کی باتوں سے اس میں روشنی پیدا کرو۔ موت کی بات سے اسے قابو میں رکھو۔ فنا کے احساس سے اس میں ٹھہرائی پیدا کرو۔ دنیا کے حادثات اس کے سامنے پیش کر کے اسے نصیحت کرو۔ غم و غم و غم سے اسے ڈراؤ۔ زمانے کی بے ثباتی کا اسے احساس دلاؤ۔ غم سے بولنے والوں کے واقعات

اس کے سامنے رکھو اور تم سے قبل کے لوگوں پر جو جمع ہے وہ اسے یاد دلادے۔  
 کیونکہ قلب ایک صاف و شفاف آئینہ کی مانند ہے اس میں جو نقش و نگار  
 بنانا چاہو بنا سکتے ہو۔ لہذا ایسے کام کرو جن سے یہ قلب کی اصلاح اور نفس  
 کی تطہیر ہو۔ اور چونکہ مادی زندگی کی تکفیل انسان کو ایسی طرف بکھینچتی اور نفس اتار دے  
 کی شرارتیں انسان کو جادۂ اعتدال سے مغرب کر آ رہتی ہیں اس لئے ان لوگوں کو مسلسل  
 یاد کرتے رہو۔ جو دنیا سے غزرتے تاکہ دنیا کی بے ثباتی کا احساس پیدا ہو۔ چنانچہ مولا  
 فرماتے ہیں۔

”جو لوگ دنیا سے غزرتے۔ ان کے مکانات اور کھنڈرات میں چلو پھرو  
 ورد نکھو کہ انہوں نے کیا کچھ کیا۔ کہاں سے کوچ کیا کہاں اترے اور اب کہاں ٹھہرے  
 ہوئے ہیں تو تمہیں صاف نظر آئے گا کہ وہ لوگ اپنے دوستوں سے جدا ہو کر پڑیس  
 کے گھر میں پہنچ چکے ہیں اور وہ وقت دور نہیں جب تمہارا شمار بھی ان ہی لوگوں میں  
 ہونے لگے گا۔“

موت سے کس کو رستگاری ہے  
 آج۔ ”ہم کل“ تمہارا کیا باری ہے  
 اور مومن کی شان یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہر لمحہ موت کے لئے تیار رکھتا ہے۔  
 جیسا کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

اعمل بالمہیات کانتک تعیشے ابدا

و اعمل لاخرتک کانتک نموت خدا

یعنی دنیا کے لئے اس طرح کام کرو جیسے ہمیشہ رہنا ہے لیکن آخرت کی تیاری  
 (اس تیزی سے کرو) گویا کل ہی دنیا سے رخصت ہونا ہے کیونکہ جسے چہرہ چل جلتے کر اب  
 کل اسے دنیا سے رخصت ہونا ہے تو وہ کوشش کرے گا کہ اپنے گناہوں سے توبہ  
 کر لے غلطیوں کو بخشتا لے۔ اگر کسی پر ایمان سے بغیر اس کے تو اس سے صلح  
 کر لے کہ نہ حکم ہے کہ کوئی مومن تین روز سے گزارہ نہ کرے نہ اسے ساگر کسی کا کوئی حق

اور انہیں کیا تھا تو اس سے گونگیا ہی کرائے کسی کو اذیت پہنچائی تھی تو اس سے معافی طلب کرنے کسی سے قرض لیا ہو تو ادا کرے کچھ نقص باقی ہوں تو انہیں انجام دینے کی کوشش کیے اور جن کاموں کو خود اس مختصر وقت میں انجام نہ دے سکے ان کے بارے میں اپنے اعزاء و اقارب کو وصیت کر دے تاکہ اس کے بعد وہ ان کاموں کو باقیہ کمال تک پہنچا سکیں۔

ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اسی وقت ہو گا جب انسان کو یہ احساس ہو کہ اسے مرنے کے بعد بارگاہِ معبود میں اپنی ساری زندگی کا حساب پیش کرنا ہے چنانچہ لکھنؤ فرماتے ہیں۔

آپنی اگلی منزل کا انتظام کر دو اور اپنی آخرت کا دنیا سے سودا نہ کرو جو بات نہ جانتے ہو اس سے متعلق گفتگو نہ کرو۔ اور جس چیز کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کے بارے میں زبان نہ کھولو اور جس راہ میں بھٹک جانے کا اندیشہ ہے اس کی طرف قدم نہ بڑھاؤ کیونکہ بھٹک جانے کی صورت میں سرگردانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان کے چشمہ نظر قدم روک لینا خطرات مول لینے سے بہتر ہے۔  
و مقبور حیات

امیر المؤمنین فرماتے ہیں۔  
شکی کی تلقین کرو تاکہ تم خود بھی اہل غیر میں محسوب ہو ہاتھ اور زبان کے نیچے برائی کو روکتے ہو۔ جہاں تک ہو سکے بروں سے الگ رہو۔ خدا کی راہ میں جہاد کا حق ادا کرو اور اس کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا شرنو۔ حق جہاں ہو اس تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ اگرچہ اس کے لئے سختیوں میں گونا گونا گونے۔ دین میں فہم و بصیرت سے کام لو سختیوں کو برداشت کرنے کا صواب پیدا کرو۔ کیونکہ حق کی راہ میں صبر و شکیبائی اور استقامت و پامردی بہترین سیرت ہے۔  
تمام معاملات میں خود کو اللہ کے سپرد کر دو۔ کیونکہ اس طرح تم اپنے آپ کو ایک بندیت مضبوط پناہ گاہ اور ٹھکانہ کے سپرد کر دو گے۔

صرف اپنے پروردگار ہی سے سوال کرو، اور سوال کے موقع پر انتہائی غلاں سے کام لو۔ کیونکہ عطا کرنا یا محروم رکھنا صرف اسی کے اختیار میں ہے۔ اپنے بڑے فکر سے بھلائی کی زیادہ سے زیادہ درخواست کرو میری وصیت کو کھو اور اس سے چڑائی نہ کرنا۔ یاد رکھو اچھی بات دیکھی ہے جو دنیا و آخرت کے لحاظ سے فائدہ مند ہو اور اس علم میں کوئی بھلائی جو فائدہ رسانی نہ بخلا اور جس علم کا یکہنا سفر اور نہ ہو اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔

امیر المومنین دیا گئے انسانیت کو درس لے رہے ہیں کہ تمام مسائل میں اصل توجہ پروردگار عالم کی طرف ہونی چاہیے اور اس کی ذات پر اتنا اعتماد ہونا چاہیے کہ ہمہ پہلے اس کے سپرد کر دے اور اس سپردگی میں اسے یہ یقین ہونا چاہیے کہ میں اپنی ذات کو جس کے سپرد کر رہا ہوں وہی مالک کائنات ہے اور اس کے قبضہ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں بلکہ اس کے زیر نگین اور تابع فرمان ہے۔

لہذا ہر درخواست اسی کی ہمارے گاہ بے نیاز میں پیش کرنی چاہیے کہ جس کی ہمارے میں درخواست پیش کی جا رہی ہے وہ قادر مطلق ہے اور ہر خیر و صلاح کی اسی سے امید رکھنی چاہیے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔

يا ايها الذين آمنوا اتوبوا الى الله توبۃ النصوحا

اے صاحبان ایمان اللہ کی طرف پورے اخلاص کے ساتھ رجوع کرو۔

قرآن قدر تجربات

امیر المومنین فرماتے ہیں۔

اے نور نظر حب میں نے یہ محسوس کیا کہ اب میں کل بن رسیدہ ہو چکا ہوں اور دن بدن جسمانی اضمحلال بڑھتا جا رہا ہے تو میں نے چاہا تمہیں وصیت کرنے میں اب تاخیر نہ ہونے پائے اس لئے میں نے اس میں جلدی کی اور اس میں کچھ اہم مضامین داخل کر دیئے کہ میں ایسا نہ ہو کہ اس کی تکمیل سے پہلے ہی پروردگار نے اپنے اور دل کی بات دل ہی میں رہ جائے، یا کہیں ایسا نہ ہو کہ جسم کی طرح قوت فکر بھی نکلاں

و تا توانی کا شکار ہونے لگے، یا یہ کہ میری نصیحت سے پہلے ہی تم پر کچھ خواہشات کا تسلط ہو جائے یا دنیا کے جیسے تہیں گھیر میں جس کی بنا پر تمہارا دل سخت ہو جائے اور تم ہندو نصیحت سے گریز کرنے لگو۔ کیونکہ کمسن (نوجوان) کا دل اس زرغون دنیا کی مانند ہوتا ہے جس میں جو اعلیٰ بیج ڈال دے، تو وہاں ہی درخت اٹھنے لگا اور اگر معمول چیز کا بیج ڈال جائے تو معمول چیز ہی اٹھے گی۔ لہذا قبل اس کے کہ تمہارا دل سخت ہو یا ذہن دوسری باتوں میں غفلت ہو جائے میں نے تمہیں تعلیم دینے کے لئے قدم اٹھایا تاکہ تم اپنی عقل سلیم، در فکر مستقیم کے ذریعے ان چیزوں کو قبول کرنے پر آمادہ ہوو، کہ جن کی آزمائش اور تجربہ کی زحمت سے تجربہ کاروں نے تمہیں بچایا ہے۔ اس طرح تم تلاش کی زحمت سے بے نیاز اور تجربہ کی کلفتوں سے آسودہ رہو گے اور علم و تجربہ کے وہ بائیں تمہیں کسی حقیقت کے بغیر ہی مل جائیں گے جن کا ہمیں علم ہے اور پھر وہ باتیں بھی روشن و منور ہو کر تمہارے سامنے آ رہی ہیں کہ جن میں سے ہو سکتا ہے کچھ باتیں ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی ہوں۔

اب باب نظر غور فرمائیں، یہاں بھی کلام کی وہی شان نمایاں ہے جس کا طرف بتدائے کلام میں اشارہ کیا گیا۔ یعنی اس وصیت نامے کو اس انداز سے دیکھ جائے کہ کون وصیت کر رہا ہے اور وصیت کرنے والا کس سے مخاطب ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے اس کا مطالعہ کیا جائے کہ دنیا سے جانے والے ایک باپ اپنے بیٹے کو وصیت کر رہا ہے تاکہ بیٹا تجربہ کاری کی بنا پر نقصان نہ اٹھائے، درجہ تک کہ باپ اپنی زندگی کے آخری عرصے میں یہ وصیت کر رہا ہے اور وہ ان تمام تجربات سے خود گزر چکا ہے اس لئے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیٹے کو باپ کی تعلیم کی روشنی میں جوانی ہی میں بعض باتیں بھی معلوم ہو جائیں جو باپ کو اپنی جوانی کے زمانے میں معلوم نہ ہوں۔ لیونکہ اس نے تجربے سے انہیں حاصل کیا ہے اور اب اپنے تجربات کا پتھر بیٹے سامنے پیش کر رہا ہے۔

گو امیر المؤمنین دنیا کے عام والدین کو ایک درس دے رہے ہیں کہ



ہر باپ دنیا سے جانے سے قبل اپنے تجربات اپنی اولاد تک منتقل کر دے تاکہ اولاد جب کارگاہ حیات میں قدم رکھے تو اس کے پاس ماضی کے ایسے تجربات موجود ہوں جن کی روشنی میں اپنے مستقبل کو زیادہ بہتر بناسکے اور اولاد بھی ان نصائح کو اس جذبے کے ساتھ سنے اور قبول کرے کہ یہ سارے پسند و ناصائح اس کی اپنی زندگی کے لئے چراغِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر اس نے ان نصائح کو پیش نظر رکھا تو ان بہت سے نقصانات سے محفوظ رہے گا جو نا تجربہ کاری کی بنا پر پیش آتے ہیں اور اگر اس کے ساتھ اولاد اس بات کو بھی پیش نظر رکھے کہ والد کی طرف سے اپنے تجربات کی جو سوغات اُسے کسی زحمت و مشقت کے بغیر مل رہی ہے اس کے لئے خود باپ نے کتنی زحمات اٹھائے ہوں گی۔

اس لئے اسے اس سوغات کی قدر کرنی چاہئے اور اپنی غفلت و لاپرواہی سے اسے ضائع و برباد نہیں ہونے دینا چاہئے کیونکہ یہ سوغات اگر چہ بچے کو آسانی سے، بلا قیمت مل رہی ہے لیکن درحقیقت اس میں باپ کا خون جگر ملا ہوا ہے جس نے اس سوغات کو انتہائی قیمتی بنا دیا ہے

ماضی کے مشاہدات

حضرت امیر المومنین فرماتے ہیں۔

”اے نو نظر! مجھے ماضی کے سنہ سیدہ اشقی میں جیسی طویلانی زندگی تو نہیں ملی۔ تاہم میں نے ان کی کارگزاریوں کا جائزہ لیا۔ ان کے حالات و واقعات پر غور کیا اور ان کے چھوڑے ہوئے نقوش کو اس طرح پرکھا کہ ان کی زندگی آئینہ کی طرح میرے سامنے آگئی اور اب ان کی ہر بات اس طرح میرے شاہد ہیں جو گویا میں بھی ان ہی کا ساتھی ہوں۔ لگے ان کے حالات زندگی میرے سامنے اس طرح عیاں ہیں گویا میں نے ان کے ازل سے لے کر آخر تک ہر ایک کے ساتھ زندگی گزار لی ہے۔ اس لئے میرا علم و تجربہ کسی ایک زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ابتداء سے لے کر آج تک کے تمام انسانوں کی زندگی گویا میرے سامنے ایک کھل ہوئی کتاب

کے مانند ہے چنانچہ میں نے صاف و شفاف چیزوں کو گندے چیزوں سے اور نفعیت بخش اشیاء کو نقصان دہ اشیاء سے الگ کر کے پہچان لیا ہے اور اب ان تمام چیزوں کا پتہ تمہارے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ میرے علم و تجربہ میں جتنی باتیں آئیں ان میں سے خوبوں کو چن کر تمہاری لئے کہا کر دیا ہے اور بے صلاح چیزوں کو الگ کر دیا فرماتے ہیں۔ مجھے ماضی کے تمام لوگوں کے حالات و تجربات کا علم ہے اور میں ان کی مفید و مضر، کھری اور کھول، اچھی اور بری نفع بخش اور نقصان دہ ساری باتوں کو جانتا ہوں۔ لیکن ان تمام باتوں میں سے جو صاف و ستھری عمدہ، نفع بخش اور خوبوں کا مجموعہ ہیں ان ہی کو اس وصیت نامہ میں پیش کر رہا ہوں تاکہ وصیت نامہ ہر لحاظ سے نیکوں کا خزانہ ہو۔ بلکہ حسانت کا ایک ایسا گلدستہ بن جائے جس کی خوشبو سے تمام نئی نوبہ انسان مضر ہوں۔ یہ ایک ایسا چرخہ جو جس کی روشنی میں قافلہ انسانیت منزل مقصود کی طرف تیزی سے گامزن نظر آئے۔

پھر فرسہ مایا

اُسے نکتہ جگر چونکہ مجھے تمہاری ہر بات کا اتنا ہی خیال ہے جتنا ایک شفیق کریم باپ کو اپنے عزیز و محبوب بیٹے کا ہو چاہئے، اور اسی کے ساتھ تمہیں صفات حسنہ کے ذریعہ سنوارنا بھی میرے پیش نظر ہے، اس لئے میں نے منہ سے کچھ کہہ کر تعلیم و تربیت اس حالت میں ہو کہ تم ابھی نو عمر اور بسا اورد ہر پہلو پر تازہ وارد ہوئے ہو تمہاری نیت صاف اور تمہارا نفس پاکیزہ ہے، کیونکہ نصیحت کی باتوں کو دبی قبول کرتا ہے جس کی نیت صاف اور نفس پاکیزہ ہو،

اور میں نے چاہا تھا کہ سب سے پہلے تمہیں کتاب الہی، اس کی تشویل و تائید اسلامی شریعت کے آداب و احکام، حلال و حرام اور مباح و ناجائز کی تفصیلات سے آگاہ کر دوں اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں کی طرف ترغیب و تکرہ، بلکہ ان ہی مذکورہ بالا امور کو تمہارے ذہن میں راسخ کرنے پر توجہ دوں لیکن یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ باتیں جن میں لوگوں کے نظریات و مذہبی خیالات میں اختلاف ہے وہ

تہا سے لئے بھی اسی طرح ذہنی الجھن اور پھسیدگی کا سبب نہ بنیں جس طرح ان لوگوں کے لئے دھن کا سبب بنی ہے اور کہیں حقیقت حال تہا سے لئے بھی اسی طرح مشتبہ نہ جو ملے جس طرح ان لوگوں کے لئے مشتبہ ہوئی ہے۔

اور باوجودیکہ ان غلط افکار و نظریات کا تہا سے ملنے سے تذکرہ کرنا بچہ پسند تھا۔ (کہ تم ان الجھنوں میں کیوں دخیل ہو) تاہم مجھے مناسب معلوم ہوا کہ میں تمہیں اس طرح ان نظریات و افکار کے حوادث کے سپرد کروں جس سے تمہاری غلط و ہر باوری کا خطرہ لاحق ہو جائے اس لئے مجھے یہی بہتر معلوم ہوا کہ میں تہا سے لئے عقائد و نظریات اور افکار و خیالات کے اس پسو کو بھی مضبوط کروں تاکہ تہا سے افکار و خیالات میں ایسی ہتھکنگ پیدا ہو جائے کہ لوگوں کے عقائد و نظریات کی مغزشیں کسی مرحلہ پر بھی نہیں متاثر نہ کر سکیں اور مجھے امید ہے کہ پروردگار عالم تمہیں ہنگامے کے راستے پر پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے گا اور پھر راستے کی طرف تمہاری رہنمائی کرے گا اور اسی امید پر میں پرمیت تہا سے نام لکھ رہا ہوں۔

اے میرے عزیز نظریات اور کھوکھیری باتیں و صحبت سے جن باتوں کی پابندی میں تمہا سے لئے سب سے زیادہ پسند کرتا ہوں وہ تقویٰ ہے۔ اور یہ کہ پروردگار عالم نے جو ذرائع تم پر عطا کئے ہیں ان کی پابندی کرو۔ اور نیکی کے جس راستے پر تہا سے آہار و بعدا اور تہا سے خاندان کے صلح و افروختے رہے ہیں اسی پر تم بھی کامیاب رہنا کیونکہ میرا طرح تم اپنے لئے غور و فکر کر سکتے ہو اسی طرح انہوں نے بھی غور و فکر کیا۔ اور میں طرح تم پر غور و فکر کی راہ اختیار کر سکتے ہو اسی طرح انہوں نے بھی دور اندیشی کو ملحوظ رکھا، مگر انتہائی غور و فکر کے بعد بھی وہ اسی نتیجہ تک پہنچے کہ انہیں جو ذرائع معلوم ہیں ان کو انجام دیں اور غیر متعلق باتوں سے کنارہ کش رہیں۔ لیکن اگر تہا را خمیر اس پر آملا نہ ہو کہ ذاتی تحقیق کے بغیر کسی بات کو قبول کرے اور جس طرح ان لوگوں نے اپنی جدوجہد سے حاصل کیا تھا۔ اسی طرح جدوجہد کر کے صرف حاصل کرے۔ تو یہ میرا حال ضروری ہے کہ تہا را اندازہ کرو نظر رکھنے اور سمجھنے کا سچا شبہات میں کود پڑنے اور بحث و نزاع میں الجھنے کا انداز نہ ہو۔

اور ہم کے ساتھ یہ بھی یاد رکھو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی چیز کی تحقیق کے لئے بے  
مہل و محنت نہ رہیں بلکہ اس کے بھی کچھ آداب و شرائط ہیں جنہیں پیش نظر رکھنے والا  
کامیابی سے جھکا رہوتا ہے اور نظر انداز کرنے والا اپنے آپ کو تھکا لیتا ہے ۔  
تو اس صورت حال سے بچنے کے لئے اور معرفتِ حق سے قریب ہونے کے جو  
آداب ہیں ان میں سب سے پہلا آداب یہ ہے کہ "فکر و نظر اور تلاش و جستجو شروع  
کرنے سے پہلے پروردگارِ عالم سے مدد کے لئے درخواست کرو تاکہ وہ اپنی توفیقاً  
کو تمہارے شامل حال رکھے " کیونکہ دین و مذہب کے سلسلے میں فہم و فراست اس  
وقت تک حاصل ہی نہیں ہو سکتی جب تک پروردگارِ عالم کی خصوصی عنایت اور  
توفیق شامل حال نہ ہو ۔

امیر المؤمنینؑ نے اپنے اس جملے میں دنیا بھر کے تشنگانِ علم و معرفت کے  
لئے ایک عظیم نصیحت فرمائی ہے کہ اگر واقعتاً راجح کو پہچاننا چاہتے ہو اور اس بات  
کے آرزو مند ہو کہ معرفت کے ابواب ان پر روشن ہو جائیں تو اس کے لئے پہلے  
اپنے نفس کی ریاضت کرو تاکہ خداوندِ عالم کی طرف کامل توجہ پیدا ہو اور جب  
نفس اتنا متراض ہو جائے کہ پروردگارِ عالم کی طرف کامل توجہ پیدا ہو جائے  
تو پھر اسی بارگاہِ بے نیاز میں درخواست پیش کرے کہ اسے ملنے والے حق کو پہچاننے  
میں میری مدد فرما۔ اور اگر اس جملہ کو وسیع تر مفہوم کے لحاظ سے دیکھا جائے تو  
دنیا بھر کے اُن تمام طلب علموں کے لئے جو حق و حقیقت کو سمجھنا چاہتے ہیں مگر اس کے  
محلوں میں یہ دس پڑھ رہے ہیں کہ اگر کوئی علمی مفہوم ان کی نظروں سے اوجھل ہو جائے  
تو کسی علمی باب کو سمجھنے میں دشواری پیش آئے تو غور و خوضِ نیت کے ساتھ بارگاہِ معبودین  
عالمیہ کی رہائش دہانے سے اس مطلب کو سمجھنے میں میرے لئے آسان فرما تو اگر اُن کی  
طلب گما اندر نیت خالص ہے تو تمہیں ضرور سمجھ جائے گی اور مشکل سے مشکل مطلب  
بھی سہولت سے ذہن نشین ہو جائے گا ۔

امیر المؤمنینؑ اہل ایمانیت کے ساتھ تحقیقِ حق کے لئے ایک اور شرط بیان فرماتے ہیں

”ہر اس وہم کے شانہ سے اپنا دامن بچاؤ تو تمہیں شک و شبہ میں ڈال دے یا تمہیں گمراہی کی طرف پہنچا دے :-

گویا یہ تحقیق حق کی دوسری اہم شرط ہے کہ اپنے ذہن کو بالکل آئینہ کا طرح صاف و شفاف رکھیں تاکہ حق کی تصویر اس پر مرقم ہو سکے، کیونکہ آئینہ جس قدر شفاف ہوگا تصویر اتنی ہی عمدہ نظر آئے گی۔ اسی طرح ذہن کا آئینہ ادبام و شہوات سے جتنا پاک ہوگا، تماشہ حقیقت اتنی ہی آسان بھی ہوگی اور تصویر حق اتنی ہی نمایاں بھی ہوگی۔ ورنہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ادبام و شہوات کی بلخاؤں میں حق تک پہنچنا دشوار بنتا رہتا ہے اور انسان اپنی ذہنی الجھنوں سے نکلے ہی نہیں پاتا۔

امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ تماشہ حقیقت کے لئے ادبام سے چھٹکارا حاصل کرو اور خلوص قلب کے ساتھ اپنے پسند و نا پسند کو روک کر حق تک پہنچنے کی توفیق دے، بھرتہ نہ کھوئے کہ حقیقت کو کہنا تمہارے لئے آسان ہو جائے گا چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

”جب تمہیں یقین ہو جائے کہ تمہارا دل صاف ہو گیا ہے اور اس میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے اور ذہن پورے طور پر کیوٹی کے ساتھ تیار ہے اور تمہارا ذوق و شوق ایک نکتہ پر جم گیا ہے :-

بالفاظ دیگر جب ادبام سے چھٹکارا حاصل کرنے اور پسند و ناپسند کے عالم سے توفیق خیر کی دعا کی ہے اور نیت میں خلوص پیدا کر کے بارگاہ معبود میں التجا کرنے سے مل سکویا، طہیناں پیدا ہو جائے کہ میں واقف حق کو کہنا چاہتا ہوں اور معرفت کے علاوہ میرا کوئی اور مقصد نہیں ہے، بلکہ میں دل و جان سے یہ چاہتا ہوں کہ حق تک رسائی حاصل کروں اور جو باتیں مجھے صراطِ مستقیم پر گامزن رکھنے وال ہیں ان سے پوری طرح واقف ہو جاؤں تاکہ کارزارِ حیات میں میرے قدم ٹکرائے نہ پائیں، میں اپنی کم علمی سے کہیں باطل کی حمایت نہ کرنے لگوں، کہیں اپنی ناگہمی سے حق سے ورنہ ہو جاؤں اور کہیں مایہ ناز ہو کہ میں آسہلاستے ہو جانے لگوں جو مجھے منزلِ مقصود سے ڈر کر روکے۔

امیر المومنین فرماتے ہیں کہ "جب صدق دل سے حق کو پہچاننے کا جستجو پیدا ہو جائے تو ان باتوں پر غور کرنا جو ہمیں نے تمہارے سامنے بیان کیا ہیں۔ کیونکہ ان مطالب سے صحیح طور پر درہی شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جو قلب کی پاکیزگی اور ضمیر کی صداقت کے ساتھ ان پر غور کرے اور تلاش حق کی نیت سے ان میں اپنی جستجو کو کام میں لائے لیکن اگر تمہارے حسب منظر دل کی یکسوئی اور نگر و نظر کی آسودگی حاصل نہیں ہوئی ہے اور تمہارے خیالات پر آگندہ اور افکار منتشر ہیں تو یہ سمجھ لو کہ معرفت حق کے جو در بنیادی آداب ذکر کئے گئے تھے ان کی ابھی تم نے کمیں نہیں کی ہے یعنی ادبام سے چٹکارا حاصل کرنا اور ذات پر در و کار سے غلو میں نیت کے ساتھ رجوع کرنا صبر کے بعد حق کی معرفت آسان اور اس کے راستے پر چلنا سہل ہو جاتا ہے۔ اور انسان ذہنی پر آگندگی سے نجات حاصل کر لیتا ہے لیکن ابھی تم اس غفلت تک نہیں پہنچے ہو تو

یہ سمجھ لو کہ ابھی تم شب کو راضی کی طرح ہو پیر مار رہے ہو اور ظلمتوں میں بھٹک رہے ہو اور ظاہر ہے کہ جو حق کو پہچان لے اس کی یہ کیفیت نہیں رہتی بلکہ حق تک پہنچنا تو ایسا ہے جیسے رات کے بعد دن ہو جانا اور غفلت شب کو تار تار کرتے ہوئے آفتاب عالم تاب کا صحن عالم میں جلوہ گر ہو جانا۔ چنانچہ امیر المومنین ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

"جو دین کی حقیقت کا طلبگار سہروردہ تاریکیوں میں واقع ہو نہیں سکتا اور نہ غفلت کھٹ کرتا ہے۔ بلکہ استقامت فکر کے ساتھ حق و صداقت کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ ظلمت مٹ جائے اور حقیقت روشن ہو کر اس کی نگاہوں کے سامنے آجائے گویا آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص حق و حقیقت کا طلبگار ہے اس کی نگاہ تو قیام پر ہونی چاہیے کہ کہاں حکمت کے موتی مل رہے ہیں جن سے اپنے دامن کو بھر سکے، اور کہاں خوشبوؤں کی مہک ہے کہ اپنی شام جان کو معطر کر سکے نہ یہ کہ کانٹوں سے الجھ کر وہ جائے اور خار در واد یوں سے اپنا دامن سمیٹ کر صحیح سالم گزر جانے کے بجائے

جلد بازی اور نا بکھیا ہیں اپنے ہمارا من کو تار تار کر کے۔ البتہ اگر تلاش حقیقت کے سلسلہ میں ایسی کوئی راہ آئی جائے جہاں غار دار مجاہدیاں ہوں اور دامن کے الجھ جانے کا خطرہ ہو تو ایسے مواقع پر بے سوچے سمجھے کو دخل نامناسب نہیں ہے بلکہ ایسے مواقع پر اپنے دامن کو سیٹ لیا، اور گمراہی کی داریوں سے اپنے کو بچا لینا ہی بہتر ہے۔

**حاکم دو جہاں**

میری وصیت کو سمجھو۔ اور یہ یقین رکھو کہ جس کے قبضہ قدرت میں موت ہے اسی کے اختیار میں زندگی بھی ہے۔ وہی پیدا کرنے والا بھی ہے اور موت سے ہمکنار کرنے والا بھی، جو فنا کرنے والا ہے وہی دوبارہ حیات نو عطا فرمانے والا ہے اور جو آزمائشوں میں مبتلا کرنے والا ہے وہی آزمائشوں سے نجات بھی دینے والا ہے لہذا اس یقین کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان نہ مایوس ہو نہ مفرد نہ زندگی پر نظر کرے اور نہ موت سے بے پروا رہے اور اگر ظاہر کی طور پر موت کے آثار نظر آنے لگیں تب بھی مایوسی کا شکار نہ ہو کیونکہ دنیا والوں کے ہاتھ میں نہ کسی کی زندگی ہے نہ موت بلکہ خدا ہی ہے جو زندگی بھی عطا کرنے والا ہے اور موت بھی اور جب تک اس کی طرف سے کسی کی موت کا وقت مقرر نہ ہو چکا ہے کوئی کسی کو مار نہیں سکتا اور اگر اس کی طرف سے فیصلہ ہو چکا ہو تو کوئی کسی کو بچا نہیں سکتا۔ کیونکہ اسلامی عقیدے کی رو سے زندگی اور موت کا اختیار اللہ ہی کو ہے۔ اس لئے مومن نہ حالات کے خوشگوار ہونے سے خود غرور میں مبتلا ہو نہ حالات کی سختی سے مایوس و نا امید ہو بلکہ ہر حالت میں حق کی تلاش جاری رکھے اور حق کا راستہ پہچان لینے کے بعد اسی پر گامزن رہے اور شگستگی و خوشحالی، امن و امان اور بد امنی غرض ہر حال میں اپنی جان کا مالک خالق و چاند کو کیجیے جو اُن کی امانت ہے اور اسی کی مرضی اور حکم کے بغیر خرچ نہیں کی جاسکتی اور یہی وجہ ہے کہ خودکشی کو حرام قرار دیا گیا اور ایسی جگہ ٹھہرنا بھی ناجائز قرار دیا گیا جہاں ٹھہرنے سے جان و مال اور عزت و آبرو کو خطرہ ہو اور حکم خدا و رسول یا فرمان اہل امام کے بغیر جہاد کو ساقط قرار دیا گیا کیونکہ خدا و رسول اور امام معصوم ہی

خارج و مراقب سے صحیح طور پر واقف ہیں۔ اور جب وہ حکم دیں تو انسان کو یقین ہوگا کہ وہ صراطِ مستقیم کا مزن ہے اب اس راستہ میں اگر وہ ناجائز و فحش بات کہتا ہے تو فازی ہے اور اگر مقبول و مجروح ہوتا ہے تو شہارت کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جب تک ریگول و دائم کا حکم نہ ہو اس وقت تک جہادِ حرام قرار دیا گیا ہے کہ اس صورت میں انسان کو یقین نہیں ہو سکتا کہ جان جیسا عظیم اور قیمتی نامہ نہ کسی کی بارگاہ میں پیش کر رہا ہے اور اگر ایسی صورت میں انسان کسی موقع پر دشمنوں میں گھر جائے تو جس صورت سے بھی ممکن ہو اپنی جان بچانے کی کوشش کرنا واجب ہے۔ اس کے لئے اگر سلسلے آکر مقابلہ کرنا ممکن ہو تو مقابلہ کرے اور اگر سلسلے آکر مقابلہ کرنا ممکن نہ ہو اور سلسلے سے ہٹ کر غنی طور پر مدد بھی سکتے ہو تو دشمن کے سامنے سے ہٹ جاؤ اور پھپھ کر مدد پہنچانے کی کوشش کرو جیسا کہ قرآن مجید میں خالقِ رحمان کا ارشاد ہے کہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَعْلَمُونَ أَنَّكُمْ إِلَهُكُمْ وَأَلَّا تَكُونَ لَكُمْ دِينًا  
یوہم یومئذ دینہ الا تعصموا لقتال او صغیرا ای دینہ۔

(اے صاحبانِ ایمان جب کافروں سے معرکہ لڑائی ہو تو پیٹھ نہ پھیرنا اور البتہ اگر جنگ کی حکمت عملی کا یہ تقاضہ ہو کہ سامنے سے ہٹ جایا جائے اور (۲) جو گروہ مخالف ہے وہ کمزور پر حملے اور پوری جگہ کوئی ایسا گروہ ہو جو معاون ثابت ہو سکتا ہو تو اس معاون گروہ کا تعاون حاصل کرنے کے لئے اگر محاذ سے ہٹا پڑے تو انسان ہٹ جائے۔ اور اس معاون گروہ کی پشت پناہی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اور پھر حال انجام کار سے تو خداوندِ عالم ہی باخبر ہے، وہی نیت کی سچائی اور دل کی صحت سے واقف ہے۔ چنانچہ امیر المؤمنینؑ ارشاد فرماتے ہیں۔

”اور دنیا کا نظام پھر حال دیکر رہے گا جو خداوندِ عالم نے اس کے لئے مقرر کر رکھا



ہے۔ نعمتوں کا عطا کرنا یا آزمائشوں میں مبتلا کرنا اور آخرت میں جزا دینا یا جہنم بھی اس کی مشیت میں ہو اور ہم بندوں کے علم میں نہ ہو، سب کچھ اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ جسے نوازنا چاہے اسے کوئی نیک نہیں روک سکتا۔ اور جسے محروم کرنا چاہے اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ جسے چاہتا ہے آزمائشوں اور امتحان میں ڈالتا ہے۔ بندے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ آزمائش ان کے لئے بلا ہے، جبکہ درحقیقت ان کا امتحان ہوتا ہے تاکہ یہ آشکار ہو جائے کہ کون آزمائشوں میں بھی اسے یاد رکھتا ہے اور کون اس کا شکوہ شروع کر دیتا ہے۔ اور اسی لئے ہر انسان کا امتحان اس کی طاقت و برداشت کے مطابق ہوتا ہے۔ چنانچہ کائنات میں سب سے سخت امتحان حضرات، انبیائے کرام علیہم السلام کا تھا۔ اور ان میں جو فضل و کرم کے لحاظ سے سب سے برتر تھے ان کا امتحان بھی سب سے سخت تھا۔ جیسا کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے کہ: "ما اودى بسى فطما اذیت"۔ جتنی سخت آزمائشیں مجھے پہنچائی گئیں، اور آپ کا طائرانہ جو کائنات میں سب سے اعلیٰ طائرانہ تھا اس کے افراد کو سب سے زیادہ سخت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور پھر دنیائے دیکھا کہ ان مقدس ہستیوں نے آزمائشوں کو ایسی خندہ پیشانی سے قبول کیا کہ انہیں ظلم سمجھ نہ آئے۔ کھٹک گیا، مگر ان کے صبر و استقامت میں فرق نہ آیا۔ اور اسی طرح ان کے چاہنے والوں میں جس کا رتبہ جتنا بلند تھا۔ اتنا ہی اس کا امتحان بھی سخت تھا۔ جن کی مثالوں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ لہذا اگر انسان اس دنیا کی زندگی میں کسی آزمائش میں پڑ جائے تو غائبہ دو جہاں کا شکوہ کرنے کے بجائے اس کی مشیت کے آگے سرنگوں رہنا چاہئے اور اگر اس آزمائش و امتحان کی مصلحت وقتی طور پر کچھ میں نہ آئے تو بھی پھر وہ کار کی حکمت و مصلحت پر پورا اعتماد رکھنا چاہئے، چنانچہ امیر المومنینؑ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:-

"آخر مصالح خداوندی میں سے کوئی بات تجھ کی سمجھ میں نہ آئے اور ذہن کسی عتسی میں الجھ جائے تو اسے اپنی لاعلمی پر معمول کر دینے تک پہلے پہلے جب تم پیدا ہوئے

تھے تو ہر بات سے لاعلم تھے پھر رفتہ رفتہ تم نے چیزوں کو سمجھنا شروع کیا۔ اور بھی بکثرت  
ایسی باتیں ہیں جن سے تم نادان واقف ہو۔ جن میں تمہارا ذہن پریشان رہتا ہے اور نظر غلطی  
رہتی ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ تمہان باتوں کو بھی سمجھنے لگتے ہو۔ امیر المومنین کا یہاں تا تخلیق زمان  
کے اس تصور کے عین مطابق ہے جو قرآن مجید نے پیش کیا ہے چنانچہ سورہ مبارکہ الفصل  
میں ارشاد قدس ہے۔

وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا۔

پروردگار عالم نے تمہیں بطنِ مادر سے دنیا میں بھیجا، اس حالت میں کہ تم کچھ بھی نہیں  
جانتے تھے ملاحظہ ہو پارہ ۱۳، سورہ ۱۶، آیت ۷۸۔

اور مشاہدہ بھی اس بات کی بھرپور تصدیق کرتا ہے کہ انسان کس طرح رفتہ رفتہ رشد  
ہدایت و کمال سے آشنا ہوتا ہے لہذا اگر ایک شیخ جس نے اسکی اپنی زندگی کی طرف  
چند ضرر لکھ دیے کہ ہیں اور اس کا ذہن حقائقِ اشیاء تک نہیں پہنچا ہے تو اسے ان  
چیزوں کا نہ تو انکار کرنا چاہئے جن سے نا آشنا ہے، اور نہ خدا اور رب و رحیم سے  
کام لینا چاہئے، بلکہ اپنی ابتدائی حالت پر غور کرنا چاہئے جب وہ کچھ بھی نہیں جانتا  
تھا۔ اور اس دور کو یاد کرنا چاہئے جب ایک ایک لفظ کو یاد کرنے میں اسے سخت  
مشقت اٹھانی پڑتی تھی۔ اور خداوند عالم کے انعامات و احسانات میں سے ایک یہ بھی  
ہے کہ اس نے انسان کو قوتِ فطریہ و بیان سے نوازا، چنانچہ سورہ رعد میں جس میں قدم  
قدم پر اللہ نے اپنی نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور مردہ جن و بشر سے سوال کیا گیا ہے کہ تم  
اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، اس کے بالکل آغاز میں ارشاد فرمایا ہے۔

الرَّحْمَنُ مَلَكًا لِّقِرَآنٍ خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَصَہٗا لَبِیَّان۔

رحمن نے قرآن کی تعلیم دی، انسان کو حیدر کیا اور اسے بیان کا طریقہ سکھایا۔  
تو یہ اس کا لطف و کرم ہے کہ اس نے انسان کو قوتِ حویلی عطا کی جس کے  
ذریعہ وہ اپنے مقاصد کا اظہار کرتا ہے اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے سب  
مثالی کرتا ہے اور پھر جیسے جیسے علم و کمال سے آراستہ ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے یہ

قوت محفل بھی بڑھتی رہتی ہے۔ اور ایک منزل میں بھی آجاتی ہے کہ اس کی تعلیمات سے  
 نئے نئے افراد اس کی راہ کی طرف منڈرتے چلے آتے ہیں۔ اسی لئے عرب زبان کی مثل  
 مشہور ہے کہ،

ان من الیسان مسعرا۔ بعض باتیں اپنے اندر جادو جیسا اثر کرتی ہیں  
 اگرچہ یہ جادو، محاورہ و الامداد ہے لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں  
 کر سکتا کہ بعض اقربوں میں بڑا اثر ہوتا ہے اور بعض لوگ ایسی جادو بیانی سے  
 قہول کے اندر انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس قوت مختار کی ارشہ سازی  
 ہے جو خالق دو جہاں نے عطا فرمائی ہے۔ لہذا جن لوگوں کو یہ قوت ملی ہے وہ اس  
 پر فضلے کون و مکان کا شکر ادا کریں اور اس کے شکر کا سب سے بڑا طریقہ یہ ہے کہ یہی  
 قوت گفتار کو ان امور میں صرف کریں جو خدا اور رسول اور ائمہ طاہرین کو پسند ہوں مگر اس  
 سے بنی نوع انسان کی ہمت و کردار کی تعمیر ہو سکے۔  
 اس کے بعد امیر المومنین فرماتے ہیں۔

اس خالق دو جہاں سے اپنے آپ کو وابستہ رکھو اور اس کے احکام کا اتباع  
 کرو جس نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں رزق عطا فرمایا اور تمہارے اعضاء و ارجح میں  
 توازن قائم کیا۔ لہذا صرف اسی کی عبادت کرنا، اسی کی بارگاہ میں اپنی درخواست  
 پیش کرنا اور اسی کی طرف راغب رہنا اور بس اسی سے ڈرتے رہنا۔

چنانچہ سورہ مبارکہ ال انفطار میں ارشاد قدرت ہے۔

یا ایہا الانسان ما خلت ہر بک الکرم الذی خلقت فصول

فصلک فی اسی صورت عشاء و کبک۔

اے انسان! وہ کونسی بات ہے جو تجھے اپنے پاس پروردگار سے مخوف  
 کر رہا ہے جو صاحب لطف و کرم ہے جس نے تجھے پیدا کیا، تیرے جسم کو جیسا  
 چاہا، تیری صورت بنا دی، پارہ ۲۰ سورہ ۸۲ آیت ۶۷

جو یا اگر انسان اللہ کی تمام نعمتوں سے انکسین بند کر کے اور صرف اپنے وجود

پر غور کر کے کوئی ایسی ہستی ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ میرے اعضاء جو طرح بنائے  
ان اعضاء و جوارح میں اعتدال رکھا اور ان کو ایسے پیکر میں خلق فرمایا جو بہترین اور  
متوازن قرین پیکر ہے۔ تو اس کدو سے اور خمیر سے خود کیا آواز آئے گی کہ تین  
وہی ہستی مالک کائنات ہے اور میری جبین نیاز اسی کی بارگاہ میں غم ہونی چاہئے  
جو میری ابتداء کا بھی مالک ہے انتہا کا بھی۔

پھر امیر المؤمنینؑ نے فرمایا

”اے نورِ نظر! جب میں یہ معلوم ہونا چاہے کہ کسی ایک شخص نے مجھ پر دگر عالم  
اور اس کی تعلیمات کو اس طرح نہیں نہیں کیا ہے جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ  
سلم نے پیش فرمایا اور یہ چیز تم سے تقاضہ کرتی ہے کہ ان کو بطیب خاطر سناؤ تاکہ  
پیشوا اور نبیات کا پروردگار بتا دے اور یہ یاد رکھو کہ میں تمہیں پر غور نصیحت  
کرنے میں ہرگز کوتاہی نہیں کروں گا اور یہ حقیقت ہے کہ تم اپنی تمام جدوجہد کے  
بادوجود اپنے سود و سود کے بارے میں اس حد تک غور نہیں کر سکتے جو جننا میں کر سکتا ہوں  
ہوں تاکہ تمہارے تجربات تمہارے سن و سال کے اعتبار سے محدود اور ہرے تجربات  
تمہاری پر نہت بہت زیادہ وسیع ہیں۔

ان مذکورہ بالا جملوں میں مولانا نے دو اہم باتوں کی نصیحت فرمائی ہے۔  
(۱) یہ کہ کائنات الہی میں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ  
سلم کی ہدایات و تعلیمات سب سے اربع و اعلیٰ ہیں۔ اور دنیا کے عام انسانوں  
کا کیا تذکرہ صفت انتہیاء میں بھی ان کی کوئی شان نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی ذات و کمالات  
سورج کمال کی اس انتہا پر ہے۔ کہ پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا۔

لَوْلَاكَ لَمَا خُلِقَتِ الْاَفْلَاقُ۔

(اے پیغمبر! اگر تم نہ ہوتے تو میں کائنات کو نہ پیدا کرتا۔)

اور اسی کے ساتھ آپ کی ہدایت و تعلیمات بھی اتنی جامع، جامعہ اور آفاقی  
ہے کہ ”پہلی شریعت“ آخری شریعت قرار دی گئی ہے اور آپ قیامت تک

نہ کوئی نئی آئے گا نہ کوئی اور شریعت بھی بنائی جائے گی بلکہ اسی شریعت کے قوانین ہر دور کے تمام انسانوں پر نافذ حاصل رہیں گے۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ زمین انسانی ارتقاء مکمل کے کسی درجہ تک پہنچ جائے، اور علم و فن کی دنیا میں کتنی ہی بلند پروازیاں دکھائے، لیکن وہ شریعت خاتم المرسلین کے زیرِ نگیں رہے گا اور آنحضرتؐ کے احکام و قوانین کو ہر دور میں تمام اصولوں و قوانین پر بالادستی حاصل رہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ کی شریعت کے اصول اتنے جامع ہیں کہ خواہ سابق کا پتھروں کا دور ہو یا آج کا ایٹمی زمانہ۔ اور چاہے سائنسی اعتبار سے انسان مستقبل میں کتنی ہی ترقی کر لے، مگر اسلامی شریعت اور اس کے اصول و قوانین کی اسے ہر حال میں ضرورت رہے گی، کیونکہ یہی قوانین ہیں ہدایت اور طریق نجات ہیں!۔

(۲) (اسی کے ساتھ) دوسری بات حضرت امیر المومنینؑ نے یہ فرمائی کہ وہ ماسباپ جو حق و صداقت کے راستے پر گامزن ہیں۔ ان کے فرزندوں کو چاہئے کہ اپنے والدین کی ہدایات کو صدق دل سے قبول کریں، بلکہ اسے اللہ کا ایک عطیہ عظیم سمجھیں۔ کیونکہ وہ آپ جس نے پوری زندگی حق کے راستے پر گامزن رہتے ہوئے گزاری ہے اس کے پاس دینی تعلیمات کے ساتھ ساتھ زمانہ کے تجربات کا بھی ایک گراں بہا خزانہ موجود ہے جس سے اولاد کو کسب فیض کرنا چاہئے، اور اگر آپ غرض نیت کے ساتھ اسے نیکی کی ہدایت کر رہے تو اسے ایک گراں بہا تحفہ کی حیثیت سے قبول کرنا چاہئے۔

کیونکہ باپ محض علوم و نیت کی بناء پر اپنی زندگی بھر کے تجربات کا بخیر اولاد کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے اور اولاد کو زمانے کی ان تمام سختیوں سے بچانا چاہتا ہے جنہیں اس نے برداشت کرنے کے بعد ان تجربات کو حاصل کیا ہے۔

اور کبھی بچے کو یہ نہ سوجھنا چاہئے کہ ”باپ جو کچھ کہہ رہا ہے پرانی باتیں ہیں۔“ کیونکہ ماضی کی ان ہی داستانوں میں مستقبل کے ایسے ایسے نشانات موجود ہیں جنہیں پیش

نظر رکھنے والا فرزند اہل آئندہ زندگی میں ان گنت خطرات اور مشکلات سے محفوظ رہ سکتا ہے ۔

پسند و ناپسند

امیر المومنین فرماتے ہیں ۔

”اے نورِ نظر، لوگوں کے معاملات کے سلسلہ میں اپنی ذات کو میزانِ بنائی جواہرات، اپنے لئے پسند کرنے پر اسی کو دوسروں کے لئے بھی پسند کرو اور جو چیز تمہیں اپنی ذات کے لئے ناپسند ہو اسے دوسروں کے لئے بھی نہ چاہو جس طرح تم اس بات کے خواہشمند ہو کہ تم پر کوئی رپا دتی ماکرے، اس طرح تم بھی دوسروں پر رپا دتی نہ کرو۔ اور جس طرح تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ، جھاسنوک کریں، تم بھی دوسروں کے ساتھ جھاسنوک کرو۔ اگر کسی کے اندر کوئی عیب ہے اور وہ تمہیں برا معلوم ہوتا ہے تو اسے اپنے اندر بھی نہ پیدا ہونے دو، اور لوگوں کے ساتھ تمہارا خورد و پیر رہتا ہے اگر وہ بھی تمہارے ساتھ ویسا ہی رویہ رکھیں تو اسے درست کہو۔ جو بات معلوم نہ ہو اس کے بارے میں اپنی زبان نہ کھولو، کیونکہ جو کچھ تم جانتے ہو وہ بہت کم ہے، خبردار دوسروں کے بارے میں کوئی ایسی بات ہرگز نہ کہو جسے پہنچنے والے سننا پسند نہ کرتے ہو اور یہ یاد رکھو کہ خود پسندی، صحیح طریقہ کار کے خلاف بھی ہے اور عقل کی تباہی کا سبب بھی۔“

مذکورہ بالا جملوں میں مولائے کائنات نے جو نصیحتیں فرمائی ہیں وہ ہماری معاشرتی زندگی کے لئے ایسی اہم اور لازمی ہدایات ہیں جن پر گامزن ہو کر سماجی زندگی کے ان گنت مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے اور اسی کے ساتھ اگر غور کیا جائے تو حقوقِ انسانی کا ایک بڑا ضلع بھی ہے اور اسلام کی سماجی تعلیمات کا پختہ ٹبر بھی ۔

کوئی بھی انسان اپنی نفرت کے اعتبار سے اس بات پر آمادہ نہیں ہو سکتا کہ لوگ اسے برا کہیں، یا اس سے بعض وعائد رکھیں، یا اس سے بد مزاجی سے پیش آئیں یا ہٹھ چھیم اس کی برائی کریں یا اس کے ساتھ ترش روئی کا مظاہرہ کریں، یا اس کے

لئے نامناسب الفاظ استعمال کریں یا اس کے ساتھ برا خیالات سے پیش آئیں۔ کیونکہ دنیا کا کوئی بھی صاحب عقل و شعور انسان ان باتوں کو پسند نہیں کرتا، مولائے کائنات فرماتے ہیں کہ جس طرح تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ لوگ تمہارے ساتھ ایسا سلوک کریں، اسی طرح تم خود بھی اس بات کی پابندی کرو کہ کسی کی برائی نہ کرو۔ کسی سے بغض و عناد نہ رکھو، کسی سے بد مزاجی کے ساتھ پیش نہ آؤ، کبھی کبھی کسی کی برائی نہ کرو کسی سے تشریف رولی کا مظاہرہ نہ کرو کسی کے لئے نامناسب الفاظ استعمال نہ کرو اور نہ کسی کے ساتھ برا خیالات کرو۔ بلکہ جس طرح تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ تمہیں اچھا کہیں تم سے محبت کریں۔ غنہ پیشانی سے ملاقات کریں، تمہاری عدم موجودگی میں بھی تمہاری تعریف ہی کریں، تم ان کے پاس جاؤ تو خوش ہو کر تمہارا استقبال کریں۔ ہمیشہ اچھے الفاظ سے تمہیں یاد کریں۔ اور تمہارے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔

اسی طرح تم بھی انہیں اچھا کہو، ان سے محبت کرو، ان سے غنہ پیشانی سے ملاقات، ان کی عدم موجودگی میں بھی ان کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کرو۔ اگر وہ تمہاری پاس آئیں تو خوشی کے ساتھ ان کا استقبال کرو انہیں اچھے الفاظ سے نوازو اور ہمیشہ ان کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔

پیغمبر اسلام اور ائمہ کرام علیہم السلام کی تعلیمات میں بھی یہ اصول جا بجا نظر آتے ہیں۔

”جو بات کہنے سے پسند نہ آئے اور دوسروں کے لئے بھی پسند نہ آئے“

اور امام بیہم حضرت زین العابدین علیہ السلام نے ”رسالۃ الحق“ میں ”جن“ کا ”انسانی حقوق کا تذکرہ فرمایا ہے ان میں بھی سرفہرست اسی بات کو قرار دیا گیا ہے کہ دیکھو جو بات تمہیں پسند نہ آئے پسند نہ ہو اسے دوسرے کے لئے بھی پسند نہ کرو۔

امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے اس سلسلہ میں جامع دستور بتایا کہ دیکھو، جب بھی پسند نہ آئے پسند نہ ہو اور تم نہ سمجھ سکو کہ تمہیں پسند نہ آئے برا اور ملین یا کسی عام انسان کے ساتھ کیسا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے اس سے کس طرح متعلقہ کرنی

ہا جائے، اس کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہئے اور تمہارا رویہ اس کے ساتھ کیسا بننا چاہئے تو ایسے مواقع پر بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنی ذات کو میزان قرار دو، اور یہ سوچ کر یہ لوگ خود تمہارے ساتھ ہونے والا ہے، پھر غور کرو کہ تمہارے ساتھ کیسا سلوک ہونا چاہئے۔ عموماً کوئی جملہ کے ساتھ کسی زبان استعمال کرنی چاہئے، اس طرح تمہاری پذیرائی کر لے جائے اور اس طرح تمہارا استقبال کرنا چاہئے۔ جو خاکہ تمہارے ذہن میں اپنی ذات کے لئے ابھرے اسی خاکہ کو دوسروں کے لئے میزان بنانا چاہئے اور چونکہ دنیا کا کوئی بھی صاحب عقل انسان اپنے لئے کوئی بڑی بات پسند نہیں کرتا، اس لئے دوسرے کسی انسان کے لئے بھی کسی بڑی بات کا قصہ نہیں کرنا چاہئے۔

۱ اور لفظ "میزان" مفاسد طہرہ پر قابل طور ہے۔ کیونکہ "میزان" عربی زبان میں ترازو کو کہا جاتا ہے، جو اسی وقت صحیح سمجھی جاتی ہے جب اس کے دونوں پلٹے برابر ہوں گویا حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ کوئی بھی معاملہ درپیش ہو تو ہمیں اپنے ذہن میں ایک ترازو کا تصور رکھنا چاہئے جس کا ایک پلٹہ تمہاری ذات ہو اور دوسرا پلٹہ دوسرے شخص کی ذات ہو اور یاد رکھو کہ عدل کا تقاضہ ہے کہ دونوں پلٹے بالکل برابر ہوں۔ اور قرآن مجید میں اس کا ترجمہ میں ارشاد فرماتا ہے وَاللّٰهُمَّ الْوِزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَحْسُرُوا الْحِيزَانَ۔

ترجمہ ۱۔ اور وزن کو انصاف کی ترازو پر قائم رکھو اور میزان میں کمی نہ کرو۔ جس طرح کم تولنا بد دینا جی ہے اسی طرح دوسرے انسان کے حق کو پامال کرنا بھی بد دینا ہے، اور جس طرح ترازو کا نقص لگانا کے ایمان اور ضمیر کی کمزوری کی علامت ہے اسی طرح کسی شخص کے انسانی حقوق کو تلف کرنا بھی انسان کے ضمیر و ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ جس طرح کم تولنا نقص ہے اور کچھ بڑھا کر تولنا دینا جی طرح اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا کال اور قابل تعریف صفت ہے اسی طرح انسان حقوق کے سلسلہ میں جب لفظ میزان (ترازو) استعمال کیا گیا تو ممکن



مولائے کائنات اس بات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ کہ کسی کو اس کے حق سے کم دینا تو حرام ہے لیکن اس کے حق سے زیادہ دینا قابلِ تحسین فعل دینا، اس لئے جب تم اپنے نفس کو میزانِ قرار و توازن کی کوشش یہ بھولنے چاہے کہ دوسرے کا پٹلا بھاری کر رہے، یعنی اگر کسی نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہ بھی کیا ہو۔ تو بھی تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر کسی نے تمہارا حق پامال کر دیا ہو تب بھی بہتر بات یہ ہے کہ تم اس کے حق کا خیال کرو اور اگر اس نے تمہارے ساتھ ہندوئی کی ہے تو تم اس کی ہندوئی کو دور مقرر کر کے اس کے ساتھ خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرو۔ کینہ بھرے بغضت کی علامت ہے۔ اور ناخبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توصیف قرآن کی زبان میں یہ ہے کہ۔

وادی علی خلق مطہر۔

ترجمہ:- اسے پیڑ و خشک آپ خلقِ مطہر قرار دیں۔

اسی کے ساتھ امیر المؤمنین نے ایک اور نہایت اہم اور جامع بابت لکھی ہے۔ جو بات تم نہیں جانتے اس کے بارے میں بکشتائی ذکر کرو۔

اگر ہم اپنی سماجی زندگی کا جائزہ لیں تو اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ لوگوں کے درمیان بے شمار غمخیاں اور گنت غمیں غلط فہمیوں کی وجہ سے ہیں اور یہ غلط فہمیاں اسی لئے جنم لیتی ہیں کہ وہ لب کشتائی کے سلسلہ میں احتیاط نہیں کرتے، بلکہ جوں میں آیا کہہ گزرتے ہیں اور سنی سنائی انوں بلکہ بعض قیاس آرائی کی بنا پر بتانے کا قلم کھینچتے ہیں۔ جبکہ قرآن و حدیث کی ہدایات اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی تعلیمات یہ ہیں کہ جب تک کسی شے کے بارے میں علم و یقین نہ ہو جیسے لب کشتائی ذکر کرو۔

لیکن موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ اگر ایک سید باطن شخص کسی محترم شخصیت کے بارے میں کوئی الزام تراشی کرتا ہے تو بھائی اس کے کوئی اس کو الزام تراشی سے منع کریں، اور خدا اور رسول کا خوف دلوں میں پختہ نہ ہو اس کی پاس میں مان ملاتے ہیں اور اس کی الزام تراشیوں پر آمنا و صدقہ قائم کر کے دوسروں تک پہنچاتے ہیں بلکہ دینا معلوم

ہوتا ہے کہ اسے نفوذ باشد صحیفہ آسمانی سمجھ کر اس پر یقین کرنا جزو ایمان کہتے ہیں جبکہ حقیقی صحیفہ آسمانی کا فرمان تو یہ ہے کہ

لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ

أُولَٰئِكَ كَانَ عِنْدَهُ مُخْلَاةً ۚ

”دیکھو خبردار جس بات کا علم و یقین نہ ہو اس کے ور پے نہ ہونا کیونکہ وہ قیامت آنکھ، کان اور دل ہر ایک سے باز پرس کی جائے گی۔ آنکھ سے باز پرس ہوگی کہ کن کن چیزوں پر نظر کیا یہ سوچا یا نہیں کہ ان چیزوں کو دیکھا جائز ہے یا نہیں۔ کان سے باز پرس ہوگی کہ کن باتوں کو سنا، انہیں سننا جائز تھا یا ناجائز اور فلفط بات سنی تو توبہ کی یا نہیں، دل سے سوال ہوگا کہ کسی کے خلاف کدورت تو نہیں رکھی کسی سے حسد تو نہیں کیا، کسی کے لئے شرعی دلیل کے بغیر عداوت تو نہیں رکھی کسی کے خلاف غلط منصوبے تو نہیں بندھے کسی کی ہتک عزت پر غرضی تو نہیں منائی۔ آخرت کی تیاری۔

اے نور نظر! یاد رکھو۔ تمہیں آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہے دنیا کے لئے نہیں۔ تمہیں آخر کار فنا ہونا ہے، باقی نہیں رہو گے اور اس دنیاوی زندگی کا انجام موت ہے نہ کہ حیات۔ تم ایک ایسی منزل میں ہو جو قابل اعتبار نہیں اور ایک لمبے گھر میں ٹھہرے ہوئے ہو جو آخرت کے ساز و سامان کی فراہمی کے لئے ہے اور منزلِ آخرت کے لئے ایک گھر گاہ کی حیثیت رکھتا ہے جس میں موت تمہارا انتہائی گھر ہے جس سے کسی کو چھٹکارا نہیں۔ اور کوئی غفص چاہے کتنا ہی اس سے بھاگے وہ اسے اپنی گرفت میں لے کر رہے گا۔ لہذا اس بات سے ڈرو کہ موت تمہیں ایسے وقت میں آئے کہ تم توبہ کرنا چاہتے ہو لیکن نہ کر سکو! کیونکہ اگر ایسے عالم میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ توبہ بھی نہ کر سکتے تو تمہارے لئے ہلاکت ہے۔

مولا فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ تمہیں یہ وقت موت توبہ کرنے کا موقع بھی نہ ملے جیسا کہ ہم روزِ مروجہ کی زندگی میں ہر بار دیکھتے ہیں کہ ان گنت اشخاص حادثات یا

ناگمانی اموات سے دوچار ہو کر اس طرح دنیا سے رخصت ہوتے ہیں کہ انہیں توبہ کرنے کا موقع بھی نہیں ملتا لہذا دانشمندی یہی ہے کہ انسان فرصت کے لمحات کو غنیمت سمجھے، ماضی کی کوتاہیوں کے سلسلہ میں فی الفور توبہ واستغفار کرے۔ اور ان دنیاوی احکام پر عمل کرے جن سے توبہ قبول ہوتی ہے تاکہ بارگاہ معبود میں شریک ہو اور حساب کے موقع پر مصائب و آلام اور عتاب و عذاب سے بچ سکے، چنانچہ امیر المومنین فرماتے ہیں :-

”موت کو اس کے بعد کی منزل کو اور آخرت میں جہان بہشتیہ سے اسے ہر وقت یاد رکھنا چاہئے تاکہ جب وہ اپنے تو (اس سے قبل ہی) تم اپنا حال غفلت سے سادمان مکمل کر چکے ہو اور اس کے لئے اپنے آپ کو تیار کر چکے ہو۔ تاکہ وہ اچانک تم پر نہ ٹوٹ پڑے کہ تمہیں بے دست و پا کر کے رکھ دے :-“  
 ”خبردار دنیا داروں کی دنیا پرستی اور ان کی حرص و طمع جو تمہیں نظر انداز کرے وہ تمہیں فریب نہ دے۔“

اس دنیا کے گردیدہ لوگ، احمق، بھوکے والے تھے اور بھاڑ کھانے والے درندے ہیں، جو آپس میں ایک دوسرے پر غارتے ہیں، طاقتور کمزور کو ننگ کر دیتے اور بڑا چھوٹے کو کھل رہا ہے۔ ان میں کچھ بندھے ہوئے جانوروں کی مانند ہیں اور کچھ کھلے ہوئے جانوروں کی طرح جنہوں نے اپنی عقلیں گم کر دی ہیں اور جانے نہ سکتا پریشکے پھر رہے ہیں اور دشوار گزار راہوں میں آفتوں کی چراگاہ کے اندر انہیں آواز دھمکاتا گیا ہے گویا ان کا کوئی نگر بان ہے جو ان کی رکھوالی کرے نہ کوئی چراہٹا ہے جو انہیں صحیح سمت میں چراگاہ کی طرف لے جائے۔ دنیا کی رنگینوں نے ان لوگوں کو غمراہی کے راستے پر لگا رکھا ہے اور بدست کے مناروں کی طرف سے ان کی آنکھیں بند کر دی ہیں، چنانچہ اب صورت حال یہ ہے کہ یہ لوگ اسی کی غمراہیوں میں غمراہ ہیں اور اس کی لذتوں میں لطفیں لیں اسے ہی اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ دنیا ان سے کھینچتی رہتی ہے اور یہ دنیا کے ساتھ لہو و لعب میں لگے ہوئے ہیں اور انجام کار سے

ہر گناہ کا بدلہ دیا جائے گا۔

امیر المؤمنین کے مذکورہ بالا کلمات میں ہمارے معاشرے کی کتنی کتنی قصور نظر آرہی ہے اس کا اندازہ ہر صاحب فکر و نظر کر سکتا ہے کیونکہ وہ تصور ہے جو اب ہر بیباک میں شامل کی جاسکتی ہے۔ آج دنیا کے ہر ملک میں ہر طبقہ کے انسانوں کی اکثریت مال و زر کی فکر میں اس طرح غلطیاں اور دنیا کی لذتیں میں اس طرح سرگرداں ہے کہ حلال و حرام کی تمیز ختم ہو چکی ہے۔ گوہر جس طرح حیوانات چرائے گا ہوں ہر منہ مارے وقت یہ نہیں سوچتے کہ یہ کس کی ملکیت ہے اور اس میں سے کھانے کی اسے اجازت ہے یا نہیں۔ اسی طرح آج کا انسان پیسے کے حصول اور دنیاوی لذتوں سے ہٹ کر ہر وقت یہ سوچنے کی کوشش بھی نہیں کرتا کہ یہ پیسہ جائز ہے یا ناجائز اور اس کا مالک حقیقی رضی اللہ عنہ کی ملکیت ہے یا ناراض۔

اگر انسان اقدام کرنے سے پہلے اس بات پر غور کر لیتا کہ اس کے لئے کون سا نفع خاص مقصد کے لئے اسے پیدا کیا ہے اور اس مقصد میں کامیابی کے لئے زندگی کا ایک ضابطہ اور لائحہ عمل معین کیا ہے تو دنیا سے جراثیم نازک مانیوں گمراہیوں اور بد اعمالیوں کا خاتمہ ہو جاتا اور خطہ ارض جنت نظر میں جاتا۔ اور انسان خواہشات کا غلام بن کر مذہب و بتا بلکہ یہ آزاد ہوتا کہ خواہشات کو اپنا غلام بنا کر رکھتا چنانچہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں

”خواہشات نفس اور دوسروں سے غلام مت ہو جبکہ پروردگار عالم نے تمہیں آزاد پیدا کیا ہے اس بھلائی میں کوئی خرابی نہیں جو برائی کے ذریعہ حاصل ہو اس آرام و آسائش میں کوئی خیر نہیں جس کے لئے رذلت کی چیزیں برداشت کرنی پڑیں۔“

فنا عمت

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔

”اے نور نگر وہ تھوڑا سال جو اللہ سے بے منت خلق ملے، اس مالِ طیر سے بہت بہتر ہے جس کے لئے بندوں میں کسی کا منون احسان ہونا پڑے؟“  
 غور کیجئے، آج کل کتنے انسان ہیں جو اس کے مطابق زندگی گزار کر عزت نفس کی حفاظت کر رہے ہیں اور عام انسانوں کا کیا ذکر مسلمانوں میں ایسے افراد کتنے فی صد نظر آتے ہیں۔  
 ان میں کتنے فیصد افراد ایسے ہیں جو اس دستورِ حیات پر صدق دل سے عمل پیرا ہیں۔

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ :-

”تا امید و محرومی کی تلخی کو برداشت کر لینا، لوگوں کے سامنے دست سوال پھیلانے سے بہتر ہے پاک دامانی کے ساتھ محنت مزدوری کر لینا نسق و فحور میں گھری ہوئی دولت سے بدرجہا افضل ہے۔“

بدزنی، خداداد ہے جو حرام کما اور بدترین ظلم وہ ہے جو کسی کمزور و ناتوان پر کیا جائے یا درگھو جو کچھ تمہارے مقدر میں ہے وہ تمہیں مل کر رہے گا۔ زیادہ کی امید میں اپنے آپ کو خطرات اور دنیاوی و اخروی آزمائشوں میں مبتلا نہ کرو۔ کہیں نا فرمانی و عناد کی سواریاں تمہارے ساتھ منہ زوری نہ کرنے لگیں۔ کیونکہ حرص و ہوس کی کوئی انتہا نہیں ہے اور ممالکِ طالبِ امر دل میں جگہ پیدا کرنے کو کسی طرح ختم نہیں ہو سکتی جیسا کہ امام کا فخرؑ نے فرمایا ہے کہ طالب علم و طالب دنیا :-

اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ :-

”انسان کے اندھ ہوس کی نوعیت یہ ہے کہ اگر اس کے پاس سونے کے ڈبہ ہاڑ بھی ہوں جنہیں وہ ساری زندگی نہیں خرچ کر سکتا۔ جب بھی اس کی ہمت تنہا ہوگی کہ کاش ایک سو روپے ہوتا“

اور یہی حرص و ہوس معاشرے کی اچھلتی بہاؤوں کی جڑ ہے جو انسان کے

نفس پر اس طرح مسلط ہو جاتی ہے کہ پھر نہ خدا اور سوائے کے احکام یا درہتے ہیں نہ  
ان کے کرامت کی تعلیمات پیش نظر رہتی ہیں۔

مسیحاری طرز زندگی

امیر المومنین فرماتے ہیں کہ اسے میرے نور نظر دیکھو تمہارا طرز زندگی یہ  
ہونا چاہئے کہ۔

۱۔ اگر تمہارا بھائی تم سے دوستی کا رشتہ توڑے تو تم اس سے جوڑو اور وہ نہ  
پھیرے تو تم اس کی طرف بڑھو اور رطف و مہربانی کے ساتھ پیش آؤ۔ وہ تمہارے  
ساتھ ٹکل کرے تو تم اس کے ساتھ سخاوت کرو وہ سختی کرتا رہے تم نرمی اختیار کرو،  
وہ خطا کا مرتکب ہو اور تم اس کے لئے عذر تلاش کرو۔ اور حق سے کڑھے گھونٹ  
پی جاؤ، کیونکہ پیرے نزدیک بھجہ کے اعتبار سے یہ سب سے شیریں اور خوش ذائقہ  
گھونٹ ہیں، اپنے دوست سے اگر تعلقات منقطع بھی ہو جائیں تو دل میں اتنی  
گہلا نش رکھو کہ اگر اس کا رویہ بہتر ہو تو پھر تعلقات خوشگوار ہو سکیں، جو تم سے  
اچھی امیدیں رکھتا ہو اسے ناامید نہ کرو۔ اگر تمہارا دوست تم سے بڑائی سے  
پیش آئے تو تم حسن سلوک میں اس سے آگے بڑھو اور اپنے کسی بھائی کی حق تلفی  
نہ کرنا کیونکہ وہ بھائی کیسا جس کی حق تلفی کی جائے یا جس کے حقوق کا خیال نہ رکھا جائے  
یا جس کے لئے اپنے دل میں اچھے خیالات نہ رکھے جائیں۔

۲۔ اے فرزند ارجمند۔ یاد رکھو رزق دو طرح کا ہے (۱) ایک وہ جسے تم تلاش  
کرتے ہو (۲) دوسرا وہ جو تمہیں تلاش کرتا رہتا ہے مگر تم اس کی طرف نہ گئے  
تو وہ خود ہی تم تک پہنچ جائے گا۔

یاد رکھو۔ مال دنیا سے بس اتنا ہی حصہ اپنا بھوجیں سے اپنی آخرت محفوظ  
رکھو۔ دیکھو خیر داران لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جن پر نصیحت اثر ہی نہیں کرتی کیونکہ  
حقانہ باتوں سے مان جاتے ہیں اور حیوان لاتوں کے بغیر نہیں مانتے۔

اگر رنج و غم ٹوٹ پڑیں تو صبر کی شکل اور حسن پیشین سے ان کا مقابلہ کرو تمہارے

ہاتھوں میں سب سے زیادہ مضبوط و سیدہ ہے جو تمہارے اور اللہ کے درمیان ہے  
 "یاد رکھو جو شخص دنیا پر اعتماد کر کے مطمئن ہو جاتا ہے۔ دنیا اسے دغا دے  
 جاتی ہے اور جو اسے عظمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو اسے دولت و بھتی کی طرف  
 لے جاتی ہے۔"

راستہ سے پہلے رفیق سفر، اور گھر سے پہلے ہمسائے کے متعلق پوچھ گچھ کر لو۔  
 میں تمہارے دین اور تمہاری دنیا کو اللہ کے حوالہ کرتا ہوں اور اس سے حال و  
 مستقبل اور دنیا و آخرت میں تمہارے لئے بھلائی کا طلب گار ہوں۔

مذکورہ بالا جیسے مولائے کائنات کے ہندو نصائح سے ایک اقتباس کی  
 حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کی آپ نے اپنے فرزند ارجمند کو وصیت فرمائی یوحنین  
 کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ وصیت کس کے نام تھی اور یہ نصیحتیں  
 اپنے بیٹے محمد حنیفہ کے نام تحریر فرمائی تھیں یا کسی اور فرزند کے نام پر صورت  
 مخاطب کوئی بھی فرزند ہو یہ مشورہ ماموت تمام بنی نوع انسان کے لئے درس  
 ہدایت ہے کہ جس پر عمل پیرا ہونے سے سعادت و کامرانی کی راہیں کھل سکتی ہیں،  
 اور انسانیت کے بھٹکے ہوئے قافلہ ہارہ ہدایت پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

آئیے غور کریں کہ ہم جو اپنی زندگی میں قدم قدم پر حضرت امیر المومنین علی بن  
 ابی طالب علیہ السلام سے وابستگی کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کے ہندو نصائح پر کس  
 حد تک گامزن ہیں، کیونکہ ایمان محض بلند و بالا قسم کے دعووں کا نام نہیں ہے  
 بلکہ آل محمد کو دل کی گہرائیوں سے ماننے اور ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے کا نام  
 ہے۔ اور سب سے بڑا احتساب، احتساب نفس ہے ہم خود ہی اپنا جائزہ لیں کہ  
 ہم اپنے دینی بھائیوں اور برادران اسلامی کے ان حقوق کا کتنا پاس رکھنا ظہرتے  
 ہیں جو جن کے بارے میں ہمارے ائمہ کرام خاص طور پر مولائے کائنات نے بار بار  
 نصیحتیں بھی فرمائی ہیں اور جن میں بھی اولاد لائق عقیدہ اور فرمانبردار  
 بھی جاتی ہے جو اپنے باپ کی وصیت کو فراموش نہ کرے، ائمہ طاہرین علیہم السلام

جو ہمارے لئے ہمارے حقیقی ماں باپ سے بڑھ کر ہیں۔ ان کے ہم کتنے وفادار و فرمانبردار  
 ہیں اس کا اندازہ اس سے ہو گا کہ ہم ان کے فرمان پر کس قدر عمل کرتے ہیں کسی انسان  
 کے لئے ہندی و کمال کی بات تو یہ سمجھیں جاسکتی ہے کہ وہ اپنی سیرت و کردار میں ایسا حسن  
 پیدا کرے کہ محمد و آل محمد کی نگاہوں میں عزت و احترام کا مستحق بن جائے کیونکہ اسی  
 میں دنیا و آخرت کی نجات ہے پروردگار عالم ہمیں اسوۂ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔  
 آمین شہ اسمیت

# جاذبہ دافعہ علیؑ

تصنیف

استاذ دینی حضرت

علامہ حسین سیم

پیش کش شہدائے شریعت

دارالافتاء اسلامیہ

1437ھ

AMRUT + 01



# کتاب العلم

کی  
دو یادگار اشاعتیں

امام التوحید یحییٰ عسکری علیہ السلام کی روشنی میں

## توحید الہیہ

کے نوجوہ خصوصیات اور یادگار اشاعت

باب العلم (۵)

رسائل امیر المومنین علیہ السلام کی روشنی میں۔

کلام امام کتبہ و تفسیر

## عدن عدالت اور حقوق انسانی

اسلام کے محاکمہ نظام عدل اور عصر حاضر میں انسانی حقوق کے حوالے سے خصوصی افواہات

پیش کردہ

ان شاء اللہ تعالیٰ